علم کا ذوق، عمل کا شوق بڑھانے والا بچوں کا رسالہ

# ذوق و شوق

ذی الحجہ

جولائی 2022

# پیارے پیارے بچوں کے لیے بیت العلم کی نئی کتابیں

## والدین و سرپرست حضرات سے گزارش

بچوں کو کہانیاں سننا اچھا لگتا ہے.... کہانیاں سننے سے ان کی صلاحیتیں بڑھتی ہیں.... بچوں کی کتابوں سے دوستی ہو جاتی ہے اور آداب سیکھنے کا موقع ملتا ہے۔

والدین اپنے بچوں کو کتاب دوست بنانے کے لیے یہ کتابیں ضرور پڑھ کر سنائیں، کتاب پڑھنے اور سمجھنے میں بچوں کی مدد بھی کریں۔

maktababaitulilm

بیت العلم

Karachi Ph : 021-32726509
Lahore Ph : 042-37112356
www.mbi.com.pk

# پیغامِ الٰہی جل جلالہ

عبداللہ بن مسعود

(مفہوم آیت سورۂ دہر:۹)

’’ہم تو تمھیں صرف اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے کھلا رہے ہیں۔ ہم تم سے نہ کوئی بدلہ چاہتے ہیں اور نہ کوئی شکریہ۔‘‘

عزیز دوستو! اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے جنت میں جانے والے لوگوں کے اُس جملے کو نقل فرمایا ہے جو وہ ضرورت مندوں کی مدد کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ اس جملے میں اللہ تعالیٰ نے اہلِ جنت کے عظیم جذبے اور سوچ کو بیان فرمایا کہ کسی کے ساتھ خیر خواہی کرتے ہوئے اُن کا مقصود صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کو خوش کرنا ہوتا ہے، وہ نہ دوسروں سے بدلہ چاہتے ہیں، نہ شکریے کے طالب ہوتے ہیں۔

عزیز ساتھیو! یہی وہ نیت اور جذبہ ہے جس کی بدولت ہمارا چھوٹے سے چھوٹا عمل بھی قیمتی اور اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول بن جاتا ہے اور اگر یہ نہ ہو تو بڑے سے بڑا عمل بھی اکارت اور ضائع ہو جاتا ہے۔

لہٰذا آیئے! نیت کریں کہ کسی کو کوئی چیز دیں گے، کسی کی مدد کریں گے، کسی کو کچھ کھلائیں گے یا کسی کے گھر تحفہ لے کر جائیں گے تو اِس لیے کہ اللہ تعالیٰ مجھ سے راضی ہو جائیں، میرے مسلمان بھائی کا دل خوش ہو جائے اور اُس کے ساتھ کچھ تعاون ہو جائے، اِس لیے نہیں کہ وہ میرا شکریہ ادا کرے، میرے ساتھ بھی اچھی طرح پیش آئے، مجھے بھی کوئی چیز دے، میری کسی وقت مدد کرے، مجھے بھی کچھ کھلا دے یا میرے بھی گھر آئے تو تحفہ لے کر آئے۔

ہر کام اللہ تعالیٰ کو خوش کرنے کی نیت سے کرنے کی سوچ ایک ایسی سوچ ہے جس کی وجہ سے دلی سکون اور اِطمینان بھی حاصل ہوتا ہے، ورنہ ہر وقت یہی فکر رہتی ہے کہ میں نے تو فلاں کے ساتھ ایسا کیا، اُس نے تو میرے ساتھ کچھ بھی نہیں کیا۔

اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اہلِ جنت کی اس صفت کو اِختیار کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

# پیغامِ نبوی ﷺ

راشد علی نواب شاہی

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

’’کھانے سے پہلے اور بعد میں ہاتھ دھونا فقر کو دور کرتا ہے اور تمام نبیوں کی سنت ہے۔‘‘ (مجمع الزوائد، ج:۵)

عزیز ساتھیو! ہمارے نبی حضرت محمد ﷺ نے ہمیں زندگی گزرنے کے آداب سکھائے ہیں۔ بظاہر بعض عمل معمولی معلوم ہوتے ہیں، لیکن اس عمل کے حیرت انگیز اثرات ہوتے ہیں۔ کھانا ہر انسان کھاتا ہے، لیکن مسلمان اپنے نبی کریم ﷺ کی تعلیمات کے مطابق کھاتے ہیں۔ اس میں دنیا و آخرت کی بھلائیاں پوشیدہ ہیں۔ اب آپ کھانے سے پہلے اور بعد میں ہاتھ دھونے کے فوائد پڑھیے:

ایک مرتبہ آپ ﷺ نے فرمایا: ’’جو شخص یہ چاہتا ہے کہ اس کے گھر میں خیر زیادہ ہو اُسے چاہیے کہ کھانا آئے تو ہاتھ دھوئے اور جب فارغ ہو جائے تو ہاتھ دھوئے۔‘‘ (ابن ماجہ، جلد:۲)

ایک جگہ ارشاد ہے: ’’کھانے سے پہلے اور بعد میں ہاتھ دھونا برکت کا ذریعہ ہے۔‘‘

ایک جگہ آپ ﷺ نے ہماری راہ نمائی فرمائی کہ کھانے سے پہلے اور بعد میں ہاتھ دھونا وسعتِ رزق کا ذریعہ ہے۔ اس میں شیطان کی مخالفت ہے۔

عزیز ساتھیو! آپ ﷺ کے بتائے ہوئے اعمال کے ذریعے ہم اپنے مسائل حل کریں۔ ہم میں سے ہر شخص کشادہ رزق، برکت، خیر اور فقر سے دوری ہر شخص چاہتا ہے۔ کھانے سے پہلے اور بعد میں ہاتھ دھو کر تمام انبیا علیہم السلام کی سنت پر عمل کرنے کی توفیق ہوتی ہے۔

لہٰذا اِس مبارک طریقے کے فضائل و برکات پر ہم خود بھی عمل کریں اور دوسروں کو بھی بتائیں۔

# جھلکیاں


| صفحہ | عنوان | مصنف |
| --- | --- | --- |
| 04 | سیرت کہانی | عبدالعزیز |
| 06 | بلاعنوان (۱۷۹) | تماضر ساجد |
| 10 | ایک پلیٹ گوشت | حمیرا علیم |
| 11 | ذوقِ معلومات (۷۸) (کھیل) | ابوغازی محمد |
| 12 | کچرے والا | مریم شہزاد |
| 13 | غور سے سنو بچو! (نظم) | محمد شریف شیوہ |
| 14 | توبہ | دانیال حسن چغتائی |
| 19 | سوال آدھا، جواب آدھا (کھیل) | الطاف حسین |
| 20 | آم مہم | رملہ کامران |
| 23 | شیرو کا شاہو | تنزیلہ احمد |
| 26 | وقت کی قدر | عطیہ خان |
| 28 | بکروں والا گھر | قرۃ العین خرم ہاشمی |
| 31 | جھوٹوں کے جھوٹے | حافظ محمد دانش عارفین حیرت |
| 34 | بخیے ادھیڑنا | بیگم ناجیہ شعیب احمد |
| 35 | ہلدی (مسالا) | سعد علی چھیپا |
| 36 | حکیم توتا | حوریہ بتول |
| 38 | میں خاموش نہیں رہوں گا (فاتح کون) | نذیر انبالوی |
| 42 | پیاری چڑیا (نظم) | عبیدالرحمٰن مغل |
| 43 | محنت کا ثمر | فاکہہ قمر |
| 47 | ہیلی کاپٹر | قانتہ رابعہ |
| 49 | ننھے لکھاری | قارئین |



علم کا ذوق، عمل کا شوق بڑھانے والا بچوں کا رسالہ

ماہنامہ
## ذوق و شوق
کراچی

زیرِ سرپرستی:
**حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب دامت برکاتہم**

ذی الحجہ ۱۴۴۳ ہجری | جلد: 17

شمارہ: 07

ناشر ~~~ محمد عارف رشید



**مجلس ادارت**

- مدیر اعزازی ~~~ عبدالعزیز
- معاون ~~~ محمد طلحہ شاہین
- معاون ~~~ زبیر عبدالرشید

ڈیزائنر ~~~ سید ناصر
کمپوزر ~~~ سعد علی
نگران ترسیل ~~~ منور عمر


اس رسالے کی تمام آمدنی تعلیم و تبلیغ اور اصلاح امت کے لیے وقف ہے۔


قیمت **80**

سالانہ خریداری بذریعہ رجسٹرڈ ڈاک **1100/=**
بذریعہ عام ڈاک **850/=**



ماہنامہ ذوق و شوق میں اشتہار شائع کرنے کا مطلب تصدیق ہے نہ سفارش۔ یہ صرف عوام کو مطلع کرنے کا ایک ذریعہ ہے۔ مصنوعات کے بارے میں قارئین خود تحقیق فرمالیں۔



**خط و کتابت کا پتہ:**

ماہنامہ ذوق و شوق پی۔ او بکس 17984 پوسٹ کوڈ 75300 گلشن اقبال، کراچی
Email: zouqshouq@hotmail.com
zouq shouq/ذوق شوق

اشتہارات اور سالانہ خریداری کے لیے رابطہ کریں

: 0324-2028753, 0320-1292426
دفتری اوقات: صبح 8:00 تا 1:00
دوپہر 2:30 تا 6:00

JazzCash : 0320-1292426
(نوٹ: جازکیش اکاؤنٹ میں رقم جمع کروانے کی رسید اس نمبر (0320-1292426) پر واٹس ایپ کریں۔)



سالانہ خریداری بذریعہ میزان بینک اکاؤنٹ:
اکاؤنٹ ٹائٹل: Bait ul ilm trust zouq o shouq
اکاؤنٹ نمبر: 0179-0103431456، سولجر بازار برانچ، کراچی
(نوٹ: بینک اکاؤنٹ میں رقم جمع کروانے کی رسید اس نمبر (0324-2028753) پر واٹس ایپ کریں۔)

پرنٹر محمد عارف رشید نے بچوں کی تعلیم و تربیت، ترقی اور اصلاح کی خاطر ابن حسن پریس سے چھپوا کر شائع کیا۔

# علیک سلیک

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

امید ہے آپ سب خیریت سے ہوں گے اور خوش ہوں گے۔

دوستو! عیدالاضحیٰ کی آمد آمد ہے، جانوروں کی خریداری کا سلسلہ بھی شروع ہو گیا ہے۔ گلی محلوں میں کہیں گائیں نظر آتی ہیں تو کہیں بکرے۔ ہر طرف خوشیوں کا سماں ہے، کوئی جانور کو چارا کھلا رہا ہے تو کوئی گھمار رہا ہے۔ یقیناً آپ کا بھی اہم ترین مشغلہ یہی ہوگا۔ ایسا ہی ہے نا؟ کیا کہا: بالکل! چلیں اچھی بات ہے، یہ بھی جانور کا حق ہے کہ اُس کا خیال رکھا جائے۔

ہم آپ کو آج ایک اور بات بتانا چاہ رہے ہیں اور وہ یہ کہ یہ بقر عید ہمیں دو شخصیات کی یاد دِلاتی ہے: ایک حضرت ابراہیم علیہ السلام، دوسرے اُن کے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ایک حکم دیا، جس پر عمل کرنے کے لیے حضرت اسماعیل علیہ السلام بھی فوراً تیار ہوگئے۔ حکم یہ تھا کہ بیٹے کو اللہ کی راہ میں قربان کرنا ہے۔ ہے نا کتنا مشکل حکم!

اصل میں اللہ تعالیٰ امتحان لینا چاہ رہے تھے۔ باپ بیٹے، دونوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم پر لبیک کہا تو اللہ تعالیٰ نے آسانی فرمادی کہ آسمان سے مینڈھا نازل فرمادیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مینڈھے کو ذبح کیا اور اِس طرح جانور کو قربان کرنے کی یہ سنت اللہ تعالیٰ نے قیامت تک جاری فرمادی۔

دوستو! ہر سال بقر عید ہمیں اِن دو شخصیات کی یاد دلاتی ہے اور یہ پیغام دیتی ہے کہ

ہم اللہ تعالیٰ کے حکم کو مانیں گے تو اللہ تعالیٰ ہمارے لیے آسانی پیدا فرمادیں گے

اور یہ کہ

اولاد کو اپنے والدین کی بات فوراً مان لینی چاہیے۔ والدین کے کسی حکم کو سستی یا بظاہر مشکل نظر آنے کی وجہ سے ہرگز چھوڑنا نہیں چاہیے۔

کیا خیال ہے؟ پھر آپ تیار ہے نا!؟

چلیں اب ہم چلتے ہیں، عید کے بعد اِن شاء اللہ پھر ملیں گے۔ اللہ حافظ!

۳۸

# سیرت کہانی

عبدالعزیز

ہمارے پیارے نبی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی مبارک زندگی اور سیرت کے اہم واقعات پر مبنی ایک پیارا سلسلہ۔

روحاء نامی مقام سے چل کر جب آپ ﷺ صفراء نامی مقام پر پہنچے تو حضرت بسبس اور عدی رضی اللہ عنہما نے آکر آپ ﷺ کو قریش کے لشکر کی روانگی کی اطلاع دی۔ اس وقت آپ ﷺ نے مہاجرین اور انصار کو مشورے کے لیے جمع فرمایا اور قریش کی اس شان سے روانگی کی خبر بھی دی۔

یہ سنتے ہی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کھڑے ہوگئے، نہایت خوب صورت انداز سے جاں نثاری کا اظہار فرمایا، انتہائی خوش دلی سے آپ ﷺ کے اشارے کو قبول کیا اور دل و جان سے آپ ﷺ کی بات ماننے کے لیے تیار ہوگئے۔

ان کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے، اُنھوں نے بھی خوب صورت انداز سے جاں نثاری کا اظہار فرمایا۔

پھر حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور عرض کیا:

''اے اللہ کے رسول! جس چیز کا اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا ہے اسے پورا کیجیے۔ ہم سب آپ کے ساتھ ہیں۔ خدا کی قسم! ہم بنی اسرائیل کی طرح یہ ہرگز نہیں کہیں گے کہ

'موسیٰ! آپ اور آپ کا رب جا کر لڑیں، ہم تو یہیں بیٹھے ہیں۔'

بل کہ ہم بنی اسرائیل کے برخلاف یہ کہیں گے کہ آپ اور آپ کا پروردگار جہاد و قتال کرے، ہم بھی آپ کے ساتھ جہاد و قتال کریں گے۔''

(زرقانی، ج:۱، ص:۴۱۲)

انھوں نے مزید فرمایا:

''ہم آپ کے دائیں اور بائیں، آگے اور پیچھے سے لڑیں گے۔''

(بخاری)

حضرت مقداد رضی اللہ عنہ کا جواب سن کر آپ ﷺ بہت خوش ہوئے اور اُن کے لیے خیر کی دعا فرمائی۔

تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے مل کر یہی کہا۔

(مسند احمد)

ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف سے اس تسلی بخش جواب کے باوجود پھر آپ ﷺ نے پھر فرمایا:

''اے لوگو! مجھے مشورہ دو۔''

انصار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سردار حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کا اشارہ سمجھ گئے اور عرض کیا:

''اے اللہ کے رسول! شاید آپ انصار کا مشورہ چاہتے ہیں۔''

آپ ﷺ نے فرمایا:

''ہاں۔''

اس پر حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

''اے اللہ کے رسول! ہم آپ پر اِیمان لائے، آپ کی تصدیق کی اور اِس بات کی گواہی دی کہ جو کچھ آپ لائے ہیں وہی حق ہے۔ اطاعت اور جان نثاری کے بارے میں ہم آپ کو زبان دے چکے ہیں۔

یارسول اللہ! آپ مدینہ منورہ سے کسی اور اِرادے سے نکلے

تھے

اور اللہ تعالیٰ نے

دوسری صورت پیدا فرمادی،

اب جو چاہت ہواُس پر چلیے، جس سے چاہیں تعلقات قائم فرمایئے، جس سے چاہیں تعلقات توڑیئے اور جس سے چاہیں صلح فرمایئے، جس سے چاہیں دشمنی فرمایئے، ہم ہر حال میں آپ کے ساتھ ہیں۔

ہمارے مال میں سے جتنا چاہیں لے لیجیے، جتنا چاہیں ہمیں بخش دیجیے۔ آپ ہمارے مال میں سے جو حصہ لے لیں گے وہ ہمیں اس سے زیادہ پسندیدہ ہوگا جو آپ ہمارے پاس چھوڑ دیں گے۔

اگر آپ ہمیں برک الغماد (ایک جگہ کا نام) چلنے کا حکم فرمائیں گے تو ہم وہاں بھی ضرور آپ کے ساتھ جائیں گے۔

قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا ہے! اگر آپ ہمیں سمندر میں کود پڑنے کا حکم دیں گے ہم اسی وقت سمندر میں کود پڑیں گے اور ہم میں سے کوئی شخص بھی پیچھے نہ رہے گا۔ ہم دشمنوں سے مقابلہ کرنے کو ناپسندیدہ نہیں سمجھتے، ہم لڑائی کے وقت بڑے صابر اور مقابلے کے سچے ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سے آپ کو وہ کارنامے دکھائے گا جنھیں دیکھ کر آپ کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں گی۔ بس اللہ کے نام پر ہمیں لے چلیے۔''

(زرقانی، ج:۱، ص:۴۱۳)

رسول اللہ ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے یہ جوابات سن کر بہت خوش ہوئے اور فرمایا:

''اللہ کے نام پر چلو۔ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے کہ ابوجہل یا ابوسفیان کے گروہوں میں سے کسی ایک پر ضرور فتح عطا کروں گا۔ مجھے کافروں کے قتل کیے جانے کی جگہیں دکھلادی گئی ہیں کہ فلاں شخص فلاں جگہ اور فلاں شخص فلاں جگہ قتل کیا جائے گا۔''

اِدھر نبی کریم ﷺ نے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کو یہ خبر دی کہ مجھے کافروں کے قتل کیے جانے کی جگہیں دکھلا دی گئی ہیں اور اُدھر مکہ مکرمہ میں آپ ﷺ کی پھوپھی عاتکہ بنت عبدالمطلب نے ضمضم غفاری کے مکہ پہنچنے سے پہلے (جسے ابوسفیان نے مکے والوں کو آپ ﷺ کے لشکر سے تجارتی قافلے کو بچانے کے لیے بھیجا تھا)، یہ خواب دیکھا کہ ایک اونٹ سوار آیا ہے اور ابطح میں اونٹ بٹھا کر بآواز بلند یہ کہہ رہا ہے:

''اے غدر والو! اپنی قتل کی جانے والی جگہوں کی طرف تین دن میں نکل جاؤ۔''

لوگ اس اونٹ سوار کے گرد جمع ہوگئے۔ وہ اپنا اونٹ لیے ہوئے مسجد حرام میں گیا، وہاں بھی یہی آواز دی، اس کے بعد جبل ابی قبیس پر چڑھا اور اُوپر سے پتھر کی ایک چٹان پھینکی۔ جب وہ چٹان پہاڑ کے دامن میں پہنچی تو ٹکڑے ٹکڑے ہوگئی اور مکے کا کوئی گھر ایسا نہ رہا جس میں اس کا کوئی ٹکڑا جا کر نہ گرا ہو۔

عاتکہ نے یہ خواب اپنے بھائی حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو بتایا اور کہا:

بھائی! خدا کی قسم! آج میں نے یہ خواب دیکھا ہے اور مجھے ڈر ہے کہ تمھاری قوم پر کوئی بلا، مصیبت آنے والی ہے۔ دیکھو یہ خواب کسی سے بیان نہ کرنا۔''

حضرت عباس رضی اللہ عنہ باہر نکلے اور اپنے دوست ولید بن عتبہ سے اس خواب کا ذکر کیا اور یہ تاکید کی کہ اس خواب کا کسی اور سے ذکر مت کرنا، مگر ولید نے یہ خواب اپنے باپ عتبہ کو لفظ بلفظ بتادیا۔ اس طرح بات پورے مکے میں پھیل گئی۔

دوسرے تیسرے روز حضرت عباس رضی اللہ عنہ مسجد حرام میں گئے تو دیکھا کہ ابوجہل ایک مجمع کے ساتھ بیٹھا ہوا ہے۔

بقیہ صفحہ نمبر 09 پر

# بلاعنوان ۱۷۹

تماضر ساجد۔ صادق آباد

شام کے اندھیرے پھیل رہے تھے۔ گلی کے آخری مکان کی پچھلی دیوار سے دو سائے دیوار پھلانگ کر باہر نکلے۔

''احتیاط سے!'' سرگوشی ابھری۔

''شکر ہے کہ دیوار چھوٹی ہے، آسانی سے نکل آئے، لیکن اب جانا کہاں ہے؟''

''اللہ جہاں لے جائے۔''

''بس سیدھے چلتے ہیں۔''

''ٹھیک ہے، لیکن لوگوں سے ذرا بچ کر، کوئی پکڑ نہ لے۔''

☆......☆

''آج تو شامت آ کر رہے گی۔'' اسد جل تُو جلال تُو کا وِرد کرتا گھر کے پچھلی طرف آ کر رُکا۔ ابو نے کہا بھی تھا کہ مغرب کے بعد گھر سے باہر نہ رہا کرو، لیکن دوستوں کے ساتھ وقت گزرنے کا پتا ہی نہیں چلتا۔ اب تو خیر سے بڑی عید چند دِنوں کے فاصلے پر تھی۔ سب دوست شہر بھر کے جانور دیکھنے نکل پڑتے، پھر اُن پر تبصرے ہوتے۔

''یار کیا گائے ہے! تین رسے تڑوا چکی ہے۔''

''فلاں صاحب کا ایک لاکھ کا بیل دیکھنے چلتے ہیں۔''

''سیٹھ صاحب نے اس مرتبہ چھے بکرے لیے ہیں، سبھی ایک سے بڑھ کر ایک تگڑے ہیں۔''

یہی باتیں چلتی رہتیں۔ کبھی کسی دوست کے گھر چلے جاتے تو اُس گھر کے جانوروں کی شامت آجاتی۔ بکرے لڑائے جاتے، بیلوں پر سواری کی جاتی۔ کبھی جانوروں کو زبردستی چارہ یا بھوسی ٹکڑے کھلائے جاتے۔ جانور بے چارے بھی ان چار دوستوں سے پناہ مانگتے تھے۔ سب سے زیادہ شامت اسد کے دو بکروں کی آتی۔ ان دونوں کو تو اِتنا تنگ کیا جاتا کہ دونوں بلبلا اُٹھتے۔ اسد اور اُس کے دوست ان کے بلبلانے پر خوب ہنستے۔ غرض عید سے پہلے کے دس بارہ دن بھرپور موج مستی میں گزارے جا رہے تھے۔

اسد کے ابو دفتر سے رات کو دیر سے واپس آتے تھے، اس لیے وہ اسد کی حرکتوں سے لاعلم تھے۔ اسد کی امی نے اس کے دیر سے گھر آنے کی شکایت کی تو اُنھوں نے اسد کو سختی سے وقت پر آنے کی تلقین کی۔ دو دِن تو اَسد نے ان کی نصیحت پر عمل کیا، لیکن آج تیسرے دن اسے پھر دیر ہوگئی تھی۔ اسد کے دوست شاہد کے محلے میں ایک بچھڑا آنا تھا، اسی کے انتظار میں دیر ہوگئی تھی۔

☆......☆

اسد اَبھی پچھلی دیوار پھلانگ کر اندر جانے کا سوچ رہا تھا کہ اندر سے کسی نے باہر چھلانگ لگائی۔ یہ دو سائے تھے جو دبے قدموں چل رہے تھے۔ گلی کا یہ حصہ اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا۔ اسد نے آنکھیں پھاڑ کر غور سے دیکھنے کی کوشش کی۔ تبھی اچانک اس کے ذہن میں جھماکا ہوا۔

''ارے!'' ساتھ ہی وہ تیزی سے دیوار پر چڑھا اور گھر کی طرف منہ کر کے چیخا:

''امی! ابو! بکرے بھاگ گئے ہیں۔'' وقت کم تھا، اس نے بکروں کو پکڑنے کے لیے دوڑ لگا دی۔

☆......☆

ابھی وہ اس گلی سے دوسری گلی میں آئے ہی تھے کہ انھیں چیخوں کی آواز آئی۔

''اوہو جگنو! یہ تو اسد کی آواز ہے۔''

''ہاں جمبو! لگتا ہے کہ اس بدتمیز نے ہمیں دیکھ لیا ہے۔ بس اب بھاگ پڑو، کہیں وہ پکڑ ہی نہ لے۔'' دونوں نے دوڑ لگا دی۔

شہر کا یہ حصہ عام طور پر سنسان رہتا تھا۔ یہاں کی گلیاں اندھیرے میں ڈوبی رہتیں۔ عید کی گہما گہمی بھی گلیوں کی ویرانی ختم نہ کر سکی تھی۔

وہ دونوں سرپٹ بھاگتے ہوئے گلیاں بدلتے رہے۔ ان کے پیچھے

بہترین عنوان تجویز کرنے پر 250، دوسرا بہترین عنوان تجویز کرنے پر 150، تیسرا بہترین عنوان تجویز کرنے پر 100 روپے انعام دیا جائے گا۔ ''بلاعنوان'' کے کوپن پر عنوان تحریر کر کے ارسال کریں۔

عنوان بھیجنے کی آخری تاریخ **31 جولائی 2022** ہے۔

نوٹ: کمیٹی کا فیصلہ حتمی ہوگا جس پر اعتراض قابلِ قبول نہ ہوگا۔

دوڑتے قدموں اور شور کی آوازیں بڑھتی جا رہی تھیں۔ محلے والے بھی بکروں کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے تھے۔

’’جگنو! ایسے کام نہیں چلے گا۔‘‘

جمبو پہلی مرتبہ اتنا تیز دوڑ رہا تھا۔

’’پھر...... پھر کیا کریں؟‘‘

جگنو کا سانس بھی پھولا ہوا تھا۔

’’وہ سامنے جو گلی نظر آ رہی ہے اس میں چلو۔‘‘

وہ دونوں سامنے نظر آتی نیم روشن گلی میں داخل ہو گئے۔ اچانک ایک تیز چیخ سنائی دی۔ تیز رفتاری کی وجہ سے انھیں رکنے میں تھوڑا وقت لگا۔ اتنے میں دروازہ بند ہونے کی آواز آئی۔ دونوں نے مڑ کر دیکھا۔ روشنی ہو چکی تھی اور ایک آدمی دونوں کو گھور رہا تھا۔

اندھا دھند دوڑتے ہوئے وہ لاعلمی میں کسی گھر میں داخل ہو چکے تھے۔

’’مارے گئے!‘‘

بے ساختہ جگنو کے منہ سے نکلا۔

......☆......

اسد چیخ مار کر بھاگا تو تھوڑی دور سے آتے عمیر بھائی کے کان کھڑے ہو گئے۔

’’کیا ہوا اسد؟‘‘ انھوں نے اونچی آواز سے پوچھا۔

’’ہمارے بکرے بھاگ گئے ہیں۔‘‘ کہتے ہوئے اسد نے دوڑنا جاری رکھا۔

یہ سنتے ہی عمیر بھائی ’’پکڑو پکڑو، بکروں کو پکڑو۔‘‘ کے نعرے لگاتے اسد کے پیچھے دوڑے۔ شور سے گھروں کے دروازے کھلنے لگے۔ کچھ لوگ بکروں کو پکڑنے کے لیے اور کچھ صرف تماشا دیکھنے کی غرض سے ساتھ ہو لیے۔

ایک آدھ مرتبہ بکروں کی جھلک نظر آئی۔

اسد کو یقین تھا کہ بکرے پکڑے جائیں گے، مگر جیسے ہی وہ نئی گلی میں داخل ہوا بکرے غائب تھے۔ اس گلی سے آگے دو گلیاں نکل رہی تھیں، لیکن بکروں کے قدموں کی آوازیں ختم ہو چکی تھیں۔ باری باری سب لوگ وہیں رکنے لگے۔ کچھ لڑکے دونوں گلیوں میں گئے، لیکن بکروں کا دُور دُور تک نام و نشان نہ تھا۔ اسد سر پکڑ کر سڑک پر ہی بیٹھ گیا۔

اسد محلے والوں کے ساتھ واپس گھر آیا تو ابو پریشانی سے صحن میں چکر لگا رہے تھے۔ محلے والے انھیں تسلی دیتے اپنے اپنے گھروں میں چلے گئے۔ اب گھریلو تفتیش کا آغاز ہوا۔

اسد کی بہن نجمہ اور بھائی حسن کو بھی بلا لیا گیا۔

’’بکرے باندھے کیوں نہیں تھے؟‘‘

ابو نے پہلا سوال کیا۔

’’ابو جی! بکرے بندھے ہوئے تھے، لیکن ان کی رسیاں گھس گئی تھیں، اس لیے انھوں نے توڑ لیں۔‘‘

حسن نے جواب دیا۔

’’رسیاں اتنی جلدی کیسے گھس سکتی ہیں؟‘‘ ابو نے حیرت سے پوچھا۔

’’ابھی تو بکروں کو

آئے آٹھ نو دن ہی ہوئے ہیں۔ رسیاں تو بالکل نئی تھیں۔‘‘

’’جی ابو! لیکن بھائی اور اُن کے دوست، بکروں اور اُن کی رسیوں پر تجربے کرتے رہتے ہیں، انھی سے پوچھیں۔‘‘ نجمہ بولی۔

’’کیوں اسد!؟‘‘

ابو، اسد کی طرف متوجہ ہوئے تو اَسد بوکھلا گیا۔ اتنی دیر بکروں کے پیچھے بھاگنے سے اس کی حالت پتلی ہو رہی تھی، پھر بکرے غائب ہونے کا غم بھی تھا۔ وہ کوئی جواب نہ دے سکا۔

’’میری سمجھ میں یہ نہیں آرہا کہ بکرے بھاگے کیوں؟ وہ انسان تو نہیں تھے جو اُن میں عقل ہوتی، پھر رسی تڑوا کر، دیوار پھلانگ کر بھاگنا کوئی بکروں کے کام تو نہیں ہیں۔‘‘

ابو کی بات پر اُن تینوں کے چہروں پر دبی دبی مسکراہٹیں ابھریں۔

’’اسد بھائی سے اگر بکروں کا بھی واسطہ پڑ جائے تو وہ بھی عقل سے سوچنے لگتے ہیں۔‘‘ نجمہ نے مسکراہٹ دباتے ہوئے کہا۔

’’کیوں، اسد میں ایسا کیا ہے؟‘‘

’’بھائی میں ایسا کیا نہیں ہے؟ بکروں کی جگہ اگر میں ہوتا تو کافی دن پہلے ہی بھاگ چکا ہوتا۔‘‘

حسن نے تیلی لگائی۔ اسد نے دونوں کو چپ رہنے کا اشارہ کیا، لیکن آج دونوں بہن بھائی اس کے خلاف ایکا کیے ہوئے تھے۔

’’صاف صاف بتاؤ۔‘‘

ابو، حسن اور نجمہ کی طرف متوجہ ہوئے۔

’’ہم مثال سے سمجھاتے ہیں۔‘‘

حسن نے نجمہ کی طرف دیکھا۔

’’کل اسد بھائی سمیع انکل کا بکرا لے آئے۔ وہ جو ہمارا سفید بکرا ہے نا، جس کا نام اسد بھائی نے جگنو رکھا تھا، انھوں نے اُسے اُس کے ساتھ لڑوایا۔ وہ بکرا تو شاید پہلے ہی لڑنے کا تجربہ رکھتا تھا، مگر بے چارہ جگنو بُری طرح ڈر گیا اور بھاگ کر گندم کی بوریوں کے پیچھے چھپ گیا۔

پہلے تو بھائی اور اُن کے دوست ہنستے رہے، پھر جگنو کو پانی لا کر دیا۔ وہ بے چارہ جلدی جلدی پانی پینے لگا۔ تھوڑی دیر بعد ہی اسے کھانسی شروع ہوگئی تو حسن سے رہا نہ گیا۔ اس نے بھائی کو منع کیا تب جا کر بھائی نے جگنو کو چھوڑا۔ بعد میں ہمیں پتا چلا کہ انھوں نے پانی میں مرچیں ملائی ہوئی تھیں۔‘‘

’’اسد......!‘‘

اسد کی حرکتوں کے بارے میں جان کر ابو کو بہت صدمہ پہنچا۔ اسد کا جھکا ہوا سر مزید جھک گیا۔ ابو کے چہرے کا بدلتا رنگ دیکھ کر حسن اور نجمہ نے بھی اپنے بھائی جان کے باقی کارنامے راز میں رکھنے ہی مناسب سمجھے۔

’’اور کچھ نہیں تو یہی سوچ لیتے کہ ہم نے انھی بکروں کی قربانی کرنی ہے۔ لڑائی میں بکروں میں کوئی عیب آجاتا تو میں قربانی کے لیے اور بکرے کہاں سے لاتا۔ مہنگائی آسمان سے باتیں کر رہی ہے اور تم......‘‘

ابو نے سر جھٹکا۔

’’خیر، اب بھی تو بکرے غائب ہیں، مجھے ہی کچھ سوچنا پڑے گا۔ عید سر پر ہے، اب تو کوئی قرض بھی نہیں دے گا۔‘‘

ابو اُٹھ کر کمرے میں چلے گئے۔

حسن اور نجمہ بھی اسد پر اَفسوس بھری نظر ڈالتے اندر چلے گئے۔

اسد باہر صحن میں ہی بیٹھا رہا۔ افسوس، ندامت اور شرمندگی سے دل کی عجیب سی حالت ہو رہی تھی۔

اسد یاد کرنے لگا کہ وہ اور حسن کتنے شوق سے ابو کے ساتھ مویشی منڈی جا کر بکرے پسند کر کے لائے تھے۔ اسد نے ہی دونوں بکروں کے نام جگنو اور جمبو رکھے تھے۔ شروع کے دو دِن تو اُس نے بکروں کی خوب آؤ بھگت کی، لیکن پھر دوستوں کی باتوں میں آگیا۔ دوست سبھی شرارتی تھے، اکثر اُلٹی شرارتیں کرتے اور لوگوں کے نقصان پر خوش ہوتے۔ رفتہ رفتہ اسد کو بھی ان کے ساتھ مزہ آنے لگا۔

ابو تو اِتنے دن پہلے بکرے اس لیے لائے تھے کہ قربانی کے جانور کی خدمت میں بھی اجر ہے۔

تھوڑی دیر بعد وہ اُٹھ کر اپنے کمرے میں چلا گیا اور دِل ہی دل میں توبہ کرنے لگا:

’’اللہ جی! آج معاف کر دیں، باقی دن میں دونوں بکروں کی خدمت کروں گا، انھیں بالکل تنگ نہیں کروں گا۔‘‘

اسی طرح سوچتے سوچتے وہ وہیں سو گیا۔

اس کی آنکھ گھنٹی کی آواز پر کھلی۔ ہلکی ہلکی روشنی پھیل چکی تھی۔ ابو دروازہ کھولنے جا رہے تھے۔

وہ دروازے کے قریب پہنچا تو ابو کی پُرجوش سی آواز کانوں میں پڑی۔ ساتھ ہی کسی بکرے کی ہلکی سی 'میں میں' کی آواز بھی آئی۔ اسد بھاگ کر باہر نکلا۔ سامنے ابو کے دوست عظیم انکل دونوں بکروں کی رسی تھامے کھڑے تھے۔

"ہمارے بکرے!" اسد کی خوشی بھری چیخ پر ابو اور عظیم انکل مسکراتے ہوئے اس کی طرف مڑے۔

"اسد! بکروں کو اندر لے جاؤ اور چارہ کھلاؤ۔"

"جی ابو!"

اسد نے بکروں کی رسی پکڑ لی۔ دونوں بکرے ناراض ناراض سے اس کے ساتھ اندر آگئے۔

فجر کی نماز کے بعد ابو نے بتایا کہ رات کو عظیم انکل اپنے دروازے کی کنڈی لگانے والے تھے کہ بکرے ان کے گھر میں گھس آئے۔ انھوں نے بکروں کو باندھ کر باہر نکل کر دیکھا تو گلی سنسان تھی۔ اس وقت اسد وغیرہ غالباً پچھلی گلی میں تھے۔ فجر کے وقت انھیں ابو کے دوسرے دوست صغیر صاحب نے کال پر بتایا کہ ہمارے بکرے پچھلی گلی میں گم گئے ہیں۔ عظیم انکل، اسد کے گھر سے واقف تھے۔ دیر کرنا انھوں نے مناسب نہ سمجھا اور فجر کی نماز سے پہلے ہی بکرے لے آئے۔

اسد، حسن اور نجمہ کا خوشی سے بُرا حال تھا۔ جگنو اور جمبو ناراض ناراض سے کھڑے تھے۔ اسد نے آگے بڑھ کر جگنو کی پشت پر ہاتھ پھیرا۔

"اچھا، اب بس بھی کرو، رات سے تم لوگوں کے پیچھے پریشان ہو رہا ہوں۔ اب پکا وعدہ، بالکل تنگ نہیں کروں گا۔"

اسد کی بات سن کر جگنو نے جمبو کی طرف دیکھا، پھر دونوں نے شاید اُسے معاف کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا، اس لیے دونوں اس کی طرف دیکھ کر "میں، میں" کرنے لگے۔ اسد خوشی سے دونوں سے لپٹ گیا۔ نجمہ اور حسن یہ دیکھ کر ہنسنے لگے۔

جگنو اور جمبو بھی خوش نظر آ رہے تھے۔ انھیں یقین ہو گیا تھا کہ اب ان کے بقیہ دن اچھے گزریں گے۔

## بقیہ: سیرت کہانی

ابوجہل نے حضرت عباس ؓ کو دیکھتے ہی کہا:

"اے ابوالفضل! تمھارے مرد تو نبوت کا دعویٰ کرنے والے تھے ہی، اب تمھاری عورتیں بھی نبوت کا دعویٰ کرنے لگی ہیں۔"

حضرت عباس ؓ نے پوچھا:

"کیا ہوا ہے؟"

ابوجہل نے عاتکہ کے خواب کا بتایا۔ اسی دوران میں ضمضم غفاری ابوسفیان کا پیغام لے کر مکے پہنچا، اس کے کپڑے پھٹے ہوئے تھے، اونٹ کی ناک کٹی ہوئی تھی اور وہ کہہ رہا تھا:

"اے لوگو! اپنے قافلے کی خبر لو اور جلد از جلد ابوسفیان کے ایک قافلے کی مدد کو پہنچو۔"

ضمضم غفاری جب مکے پہنچا تو قریش کے لوگوں کے دلوں میں عاتکہ کے خواب سے ڈر پیدا ہو گیا۔

(البدایہ والنہایہ، ج:۳، ص:۲۵۸)

بہر حال قریش پورے ساز و سامان کے ساتھ گاتے بجاتے روانہ ہوئے۔ جب مقام جحفہ میں پہنچے تو جہیم بن صلت نے یہ خواب دیکھا کہ ایک شخص گھوڑے پر سوار ہے اور ایک اونٹ اس کے ساتھ ہے۔ وہ آ کر کھڑا ہوا اور کہا:

عتبہ بن ربیعہ قتل ہوا، شیبہ بن ربیعہ قتل ہوا، ابوالحکم بن ہشام، یعنی ابوجہل قتل ہوا اور اُمیہ بن خلف اور فلاں فلاں قتل ہوا۔

اس کے بعد اُس شخص نے اونٹ کے ایک نیزہ مار کر جنگل میں چھوڑ دیا۔ لشکر میں کوئی خیمہ ایسا نہ رہا جس پر اُس خون کے چھینٹے نہ پڑے ہوں۔

ابوجہل کو جب اس خواب کی خبر ہوئی تو بہت غصے ہوا اور کہا:

"یہ مطلب کی اولاد میں دوسرا نبی پیدا ہوا ہے۔ اسے معلوم ہو جائے گا کہ جنگ میں ہم میں سے کون قتل ہوگا!"

......(جاری ہے)......

# ایک پلیٹ گوشت

حمیرا علیم۔ کوئٹہ

امی! امی! ہم بھی بیل لیں گے۔''

قیصر، ہما اور عامر اسکول سے گھر آئے تو بستے کمرے میں رکھ کر چلائے۔

''نہ سلام نہ دعا اور بیل لینا ہے، یہ کیا بات ہوئی بھلا!؟''

دادو جو صوفے پر بیٹھی قرآن پاک پڑھ رہی تھیں، بولیں تو وہ شرمندگی سے بولے:

''السلام علیکم! وہ دادو! کاشف لوگوں کے گھر کے باہر بیل بھی بندھا ہوا ہے اور دو بکرے بھی۔ بس وہی دیکھ کر انھیں دورہ پڑ گیا ہے۔''

ہما جو میٹرک کی طالبہ تھی، نے بتایا تو امی نے کھانا دستر خوان پر رکھتے ہوئے کہا:

''ابھی تو سب تازہ دم ہو کر کھانا کھالو، پھر بات کرتے ہیں۔''

کھانا کھانے کے بعد دادو نے انھیں اپنے کمرے میں آنے کا کہا۔ جب وہ تینوں ان کے کمرے میں پہنچے تو دادو نے انھیں اپنے پاس بٹھاتے ہوئے پوچھا:

''ذرا یہ تو بتاؤ کہ عیدالاضحیٰ میں قربانی کیوں کرتے ہیں؟''

''دادو! ہم ابراہیم علیہ السلام کی سنت پوری کرتے ہوئے قربانی کرتے ہیں۔''

ہما نے جواب دیا تو دادو گویا ہوئیں:

''بالکل ٹھیک! لیکن اس کا یہ مطلب تو ہرگز نہیں ہے کہ ہم دوسروں کے ساتھ مقابلہ شروع کر دیں۔ اگر کوئی ایک لاکھ کا بیل لے کر آیا ہے تو ہم سوا لاکھ کا لیں گے تبھی قربانی ہوگی، ورنہ نہیں ہوگی۔ اللہ تعالیٰ کو لوگوں کے گوشت کی ضرورت نہیں ہوتی، بل کہ وہ تو نیت دیکھتے ہیں کہ کس نے کتنے خلوص اور لگن سے میرا حکم مانا ہے۔

بیٹا! جس کی جتنی استطاعت ہوتی ہے اتنی قربانی وہ کر سکتا ہے نا! اور اللہ تعالیٰ سے بہتر ہمارے حالات کو کون جانتا ہے، اس لیے اگر تمھارے بابا، بیل نہیں خرید سکتے تو کیا قربانی ہی نہ کریں؟''

دادو نے استفسار کیا تو قیصر اور عامر نے شرمندگی سے سر جھکا دیے۔

''اس کا مطلب یہ ہوا دادو! کہ اگر ہم ایک چھوٹا سا بکرا بھی خریدتے ہیں اور ہمارا ارادہ یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ خوش ہو جائیں تو ہمیں بھی بہت سارا ثواب ملے گا؟''

عامر جو صرف پانچ سال کا تھا، نے اپنی سمجھ کے مطابق سوال کیا تو دادو نے اسے پیار کرتے ہوئے جواب دیا:

''بالکل میرے بچے! اب تم لوگ جاؤ، ہوم ورک کرو، میں ذرا آرام کروں گی۔''

شام کو عامر اور قیصر، بابا کے ساتھ جا کر ایک اچھا سا بکرا خرید لائے اور بڑے فخر سے اسے پوری گلی میں گھمایا۔ دو دن بعد عید تھی، دونوں بھائیوں نے بکرے کی خوب خدمت کی۔ کبھی اسے چارہ کھلاتے تو کبھی پانی پلاتے، کبھی باہر گھمانے لے جاتے۔

عید والے دن دونوں صبح اٹھے، تیار ہو کر بابا کے ساتھ نماز پڑھنے گئے۔ واپس آ کر امی، ہما اور دادو سے عید ملے، پھر کپڑے تبدیل کر کے بابا کے ساتھ قربانی کی تیاری کرنے لگے۔ چھریاں، بغدے، چٹائی، پانی کی بالٹی، تھال، سب صحن میں رکھا اور بکرے کو لے کر آئے۔ بابا نے بکرا ذبح کیا، پھر گوشت کاٹ کے دادو اور امی کے حوالے کر دیا۔

''لو بھئی، میں تو تھک گیا، اب تم لوگ بانٹو اِسے۔ اور ذرا کلیجی پکا کر مجھے ناشتا دے دو۔''

بابا نے امی سے کہا اور نہانے چل دیے تو قیصر نے پوچھا:

''امی! بابا نے کلیجی پکانے کا کیوں کہا؟''

''وہ اس لیے بیٹا! کیوں کہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ تھا کہ وہ عید قرباں پر کلیجی کھایا کرتے تھے۔''

''اچھا، اب تم دونوں جاؤ اور جن لوگوں کے گھر قربانی نہیں ہوئی، انھیں گوشت دے آؤ۔''

ہما نے کہا تو عامر بولا:

''صرف

ان کے ہاں ہی کیوں؟ سب کو کیوں نہیں؟''

''کیوں کہ جن کے گھر میں قربانی ہوئی ہے ان کے ہاں تو گوشت ہے نا! اور جن کے ہاں نہیں ہوئی انھیں بھی تو ملنا چاہیے نا! چلو زیادہ باتیں نہ کرو اور فوراً جاؤ۔'' یہ کہہ کر ہما نے انھیں پلیٹ پکڑا کر باہر بھیج دیا۔ کچھ دیر بعد دونوں واپس آئے تو بہت خوش تھے۔

''باجی! آپ نے بالکل ٹھیک کہا تھا۔ جب ہم گوشت بانٹنے گئے تو میرا دوست ہے نا احسن، جس کے بابا کچھ دن پہلے فوت ہو گئے تھے، ان کے دروازے کے باہر کھڑے تھے تو ہم نے سنا، اس کا چھوٹا بھائی رو رہا تھا کہ اسے گوشت ہی کھانا ہے اور آنٹی اسے سمجھا رہی تھیں کہ 'ابھی اللہ تعالیٰ گوشت بھیجیں گے تو میں اپنے بیٹے کو پکا کر کھلاؤں گی۔'

جب ہم نے دروازہ بجا کر پلیٹ دی تو اُن کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

انھوں نے ہمیں پیار کیا اور شکریہ ادا کیا۔ امی! کیا میں ایک پلیٹ گوشت اور اُنھیں دے آؤں'' عامر نے جھٹ سے کہا۔

امی نے ہنستے ہوئے جواب دیا:

''کیوں نہیں بیٹا! یہ سب تمھارا ہی حصہ ہے، جتنا مرضی دے آؤ۔''

عامر نے خوش ہو کر ایک پلیٹ بھری اور دوبارہ احسن کے گھر کی طرف چل دیا۔ دادو نے خوشی سے اپنے پوتے کو دیکھا اور بہو سے بولیں:

''شکر ہے میرے بچوں کو عید قربان کا مقصد سمجھ میں آ گیا کہ یہ موقع اپنی خواہشات پر دوسروں کو ترجیح دینے کا ہے۔ ان شاء اللہ! یہ ہر موقع پر اِس پر عمل کریں گے۔''

''ان شاء اللہ!'' ہما اور امی نے کہا اور کھانا تیار کرنے لگیں۔

ابوغازی محمد۔ کراچی

یہ کُل پانچ اشارات ہیں۔ آپ ان کی مدد سے درست جواب تک پہنچنے کی کوشش کیجیے۔ اگر آپ ان اشارات کے ذریعے جواب تک پہنچ جائیں تو بُوجھا گیا جواب آخری صفحے پر موجود کوپن کے ساتھ ہمیں ارسال کر دیجیے اور اپنی معلومات کا انعام ہم سے پائیے۔

آپ کا جواب ۳۱، جولائی تک ہمیں پہنچ جانا چاہیے۔

۱ یہ شہر 425ء میں بسایا گیا تھا۔ اس شہر کا شمار یورپ کے خوب صورت ترین شہروں میں ہوتا ہے۔

۲ اٹلی میں واقع یہ شہر ایک سو بیس جزیروں پر مشتمل ہے۔ ان جزیروں کو نہروں نے ایک دوسرے سے جُدا کر رکھا ہے، لیکن چار سو پُل ان جزیروں کو ایک دوسرے سے ملانے کا ذریعہ ہیں۔

۳ ماضی میں اس شہر کو جمہوریہ کا درجہ حاصل تھا۔ اس وقت اسے یورپ کی ایک عظیم بحری طاقت شمار کیا جاتا تھا اور اِسے ''بحیرہ ایڈریاٹک کی ملکہ'' کہا جاتا تھا، پھر 1797ء میں فرانس کے بادشاہ نپولین بوناپارٹ نے اس شہر پر قبضہ کر لیا۔

۴ 1866ء تک اس شہر کو آسٹریا کے صوبے کی حیثیت حاصل رہی۔ یہاں تعینات گورنر کو ''ڈوج'' کہا جاتا تھا۔ 1866ء کے بعد اٹلی نے اس شہر پر قبضہ کر لیا۔

۵ ہر سال دنیا بھر سے لاکھوں سیاح پانی پر آباد اِس خوب صورت شہر کو دیکھنے آتے ہیں اور نہروں میں چلنے والی مخصوص طرز پر تیار کی گئی کشتیوں میں اس شہر کی سیر کرتے ہیں۔ ان کشتیوں کو ''گنڈولا'' کہا جاتا ہے۔

# کچرے والا

مریم شہزاد۔ کراچی

ٹن ٹونگ......ٹن ٹونگ......

دروازے کی گھنٹی بجی۔ سارا نے پوچھا:

''کون ہے؟''

''کچرے والا۔''

''امی! کچرے والا آیا ہے۔'' سارا نے امی کو بتایا۔

امی نے کچرے والے کو کچرا دیا اور اندر آئیں تو سارا نے کہا:

''کتنا گندا ہوتا ہے نا امی! یہ کچرے والا، کیسے آرام سے اتنے گندے کچرے کے تھیلے سب کے گھروں سے اٹھاتا ہے۔''

''بری بات سارا! ایسے نہیں کہتے۔ یہ اس کا کام ہے، محنت کرتا ہے وہ۔'' امی نے سرزنش کی۔

''کیوں امی! کیا غلط کہا میں نے؟ اتنا گندا تو ہے۔'' سارا نے حیرت سے کہا۔

''جی، بالکل غلط کہا۔ اچھا سوچو، اگر کچرے والا روزانہ ہمارے گھر سے کچرا نہیں اٹھائے تو کیا ہوگا؟'' امی نے پوچھا۔

''ڈھیر سارا کچرا جمع ہو جائے گا۔'' سارا نے جواب دیا۔

''اور پھر کیا ہوگا؟'' امی نے پھر پوچھا۔

''کیا ہوگا؟'' سارا بولی۔ ''کیا مطلب؟''

''تم بتاؤ نا کیا ہوگا؟ کبھی راستے میں آتے جاتے کہیں کچرا پڑا ہوتا ہے تو کیسا لگتا ہے؟''

''اونہوں! بہت گندا! کتنی مکھیاں ہوتی ہیں وہاں اور بدبو بھی۔ توبہ، توبہ!'' سارا نے ناک پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

''تو اگر ہمارے گھر میں بھی اللہ نہ کرے! کچرا جمع ہو جائے گا تو؟'' امی نے کہا۔

''اوہو، اللہ نہ کرے، کتنی بدبو اور گندگی ہو جائے گی۔'' سارا نے کہا۔

''تو بیٹا! یہ کچرے والا جو روز ہمارے گھر کا کچرا لے کر جاتا ہے، یہ تو بہت اچھا ہوا نا! کیوں کہ یہ ہمارے گھر کو صاف رکھنے میں مدد کرتا ہے، ورنہ تو ہمارے گھر میں بھی کچرے کا ڈھیر لگ جائے گا اور پھر اس میں جراثیم اور طرح طرح کی بیماریاں پیدا ہو جائیں گی۔'' امی نے کہا۔

''آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں امی! لیکن امی! یہ کچرا الگ الگ کر کے ڈرموں میں کیوں ڈال رہا ہے؟ آخ تھو۔ اسے گندا نہیں لگتا۔''

سارا نے منہ بنایا۔

''بیٹا جی! یہ اس لیے کر رہا ہے جو کام کا کچرا ہے وہ الگ کر لے اور جو بے کار ہے اسے الگ کر دے۔''

''ہائیں امی! کچرے میں بھلا کام کا کچھ کیوں ہوگا؟ اگر کام کا ہوتا تو ہم پھینکتے ہی کیوں؟'' سارا نے حیرت سے پوچھا۔

''کچھ چیزیں کچرے میں بھی کام کی ہوتی ہیں، جیسے خالی بوتلیں، گتا، لوہے کے ٹکرے اور بھی کافی ساری چیزیں۔ ان سے دوبارہ نئی چیزیں بھی بن جاتی ہیں، اس عمل کو ''ری سائیکلنگ'' کہتے ہیں۔''

''جی، اس کا تو مجھے پتا ہے کہ بہت سی چیزوں کی ری سائیکلنگ ہو جاتی ہے، مگر کچرے سے بھی ایسی چیزیں نکلتی ہیں، یہ نہیں معلوم تھا۔'' سارا کچھ کچھ حیران ہو کر بولی۔

''اب سمجھ آیا کہ کوئی بھی شخص جو محنت کرتا ہے وہ اچھا ہوتا ہے، گندے اور خراب لوگ وہ ہوتے ہیں جو محنت سے گھبراتے ہیں اور مانگ کر کھاتے ہیں۔

بقیہ صفحہ نمبر 44 پر

# غور سے سنو بچو!

محمد شریف شیوہ۔ لاہور

امی اور ابو کا کہنا
پیارے بچو مانتے رہنا

ڈرنا اپنے استادوں سے
دل بھرنا اُن کی یادوں سے

کرنا دل کے ساتھ پڑھائی
ورنہ پچھتاؤ گے بھائی

جتنے لوگ بڑے ہوئے ہیں
علم کے سر پہ کھڑے ہوئے ہیں

نام جہالت کا ہے اندھیرا
بخت میں اس کے نہیں سویرا

بنے نہ جو بوڑھوں کا سہارا
اس کا مقصد پارا پارا

ادب بڑوں کا جو کرتا ہے
اس پہ ہر انساں مرتا ہے

ملن کا سب سے شیوہ رکھنا
سب کے لیے یہ میوہ رکھنا

# توبہ

دانیال حسن چغتائی۔ کہروڑ پکا

اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھیگی ہوئی تھیں۔ سناٹے میں ڈوبی ہوئی رات سائیں سائیں کرتی پچھلے پہر میں داخل ہو چکی تھی۔

وہ آج بہت بے چین تھا۔ وقفے وقفے سے اس کے کانوں میں منذر بن سعید رحمۃ اللہ علیہ کے یہ الفاظ گونج رہے تھے:

”اے مملکت اندلس کے طاقت ور حکمران! اقتدارِ اعلیٰ اور زر و جواہر نے تمھاری آنکھوں پر غفلت کا پردہ ڈال دیا ہے۔“

پھر اُسے یوں محسوس ہوتا کہ اس کے سامنے اندلس کے عظیم المرتبت بزرگ منذر بن سعید رحمۃ اللہ علیہ کھڑے ہوئے ہیں اور اُن کی پر وقار آواز شاہی محل کی چھت سے ٹکرا رہی ہے:

”اے امیر عبدالرحمن الناصر! بات یہ ہے کہ تم نے یورپ کی عیسائی اقوام کو اپنی ظاہری شان و شوکت اور اپنی شوکت اور دبدبے میں اضافے کی خاطر مرعوب کر دیا ہے اور اَب اپنے اس رعب اور شان کو دوبالا کرنے کے لیے ایک رفیع الشان شہر مدینۃ الزہرہ تعمیر کرنا چاہتے ہو، لیکن سن لو، شب و روز کی چند گردشوں کے بعد سونے اور جواہرات میں ڈوبا ہوا یہ رنگا رنگ شہر ایک خوف ناک کھنڈر میں بدل جائے گا۔

اے امیر! اس بات کو نہ بھولو کہ تم اس فانی دنیا میں چند لمحوں کے مہمان ہو، کسی عارضی قیام گاہ کی آرائش و زیبائش کی خاطر اپنی زندگی کی ساری توانائیاں جھونک دینا دانش مندی نہیں ہے۔ آخرت کی جن منزلوں میں تمھیں ہمیشہ رہنا ہے ان کے لیے تم نے کیا کیا؟ تمھاری کتنی راتوں کی نیند اِس فکر کی نذر ہوئی؟ کتنے دنوں کا آرام اس کے خوف سے تج ہوا؟“

اور پھر محل کی بلند و بالا دیواروں سے ٹکرانے والی یہ آواز دھیرے دھیرے ڈوبتی چلی گئی۔

امیر عبدالرحمن کا دل بھی ڈوبتا چلا گیا۔ بے ساختہ اس کے ہاتھ خود بخود دعا کے لیے اٹھے اور وہ گڑگڑانے لگا:

”پروردگارِ عالم! میں عجیب الجھن میں گرفتار ہوں، مجھے راہِ ہدایت پر چلا۔“ وہ رونے لگا۔ اس کی مسلسل ہچکیوں نے قریب

سوئے ہوئے اس کے بیٹے ''حکم'' کو بیدار کر دیا۔

''ابا حضور!''، حکم آنکھیں ملتا ہوا اپنے باپ کے قریب آیا اور کہنے لگا۔ ''آپ کی آنکھوں میں آنسو، کیا بات ہے؟''

خلیفہ نے فوراً اپنی آنکھیں پونچھ لیں اور درد بھرے لہجے میں بولا:

''ہاں، منذر (رحمۃ اللہ علیہ) نے جامع مسجد میں ہمارے خلاف تقریر کی ہے۔''

حکم غصے سے کلبلا اٹھا، وہ جوش میں بول اٹھا: ''اُس کی یہ مجال، میں ابھی اسے قتل کرواتا ہوں۔''

''زبان درازی مت کرو، خاموش رہو۔'' خلیفہ گرج اٹھا۔ ''زبان درازی نہ کرو، منذر بھی میری بھلائی چاہتے ہیں۔ میرا ضمیر اُن کی باتوں پر مطمئن ہے، لیکن نفس بغاوت کر رہا ہے۔''

پھر کافی دیر تک خاموشی رہی، پھر خلیفہ کہنے لگا:

''بیٹے، ہمارا تو یہ فیصلہ کرنے کو جی چاہتا ہے کہ مدینۃ الزہرہ کو مسمار کر دیا جائے۔''

''ابا جان!''، حکم کہنے لگا۔ ''کیا آپ نے پچیس برس تک تین لاکھ دینار سالانہ کے حساب سے اسی لیے خرچ کیے تھے کہ اسے توڑ پھوڑ دیا جائے۔

کیا آپ نے بے حساب سونا چاندی، ہیرے جواہرات، خاص طرزِ تعمیر، ہزاروں معمار، لاتعداد مزدوروں، سنگ مرمر اور بار برداری پر اِسی لیے اتنا زرِ کثیر صرف کیا تھا کہ ایک دن خود ہی اسے مسمار کر دیں۔ عیسائی حکمرانوں نے اس حسین شہر کے لیے خوب صورت نقش سے مزین حوض روانہ کیے تھے۔ یہ سب کے سب آپ نے کیا اسی لیے نصب کرائے تھے کہ انھیں چشم زدن میں تباہ کر دیا جائے اور اپنے پرائے، آپ کی عقل پر ماتم کریں۔''

''ہاں بیٹا! مجھے سب یاد ہے۔ افریقہ سے ایک ہزار تیرہ خوب صورت، دل فریب اور مضبوط ستون منگوانے میں ہمیں کتنی محنت کرنی پڑی، وہ ہمارا دِل ہی جانتا ہے۔ اس شہر میں ایک مسجد بھی تو ہم نے رضائے الٰہی کے حصول کے لیے بنائی ہے۔''

''اور ابا حضور!''، حکم نے یاد دلاتے ہوئے کہا۔ ''مسجد کے قریب وضو کے لیے جو نہر بنائی گئی تھی، اس کے لیے تو میں نے اپنا کافی وقت وقف کیا۔ اتنے قیمتی اثاثے، اتنی عالی شان مسجد اور اپنی زندگی کے ناقابل فراموش کارنامے کو صرف منذر کے کہنے پر برباد نہ کریں۔ کروڑوں کا سرمایہ لگا ہے۔ خدارا! اس شہر بے مثال کو تباہ نہ کیجیے۔''

پھر کچھ سوچ کر حکم نے کہا:

''اگر آپ اجازت دیں تو میں منذر سے پیسے اور زر و جواہر کے عوض جواز کا فتویٰ حاصل کروں۔''

خلیفہ ہنس پڑا اور کہا: ''تم منذر کو نہیں جانتے۔ وہ ایسے نہیں ہیں جو پیٹ کی خاطر اللہ کی کتاب کو بیچتے ہوں۔ وہ پہاڑ کی طرح اٹل ارادہ رکھنے والے آدمی ہیں۔ خبردار! ایسی حرکت نہ کرنا۔ تم جاؤ اور آرام کرو۔ ہم خود کل صبح

تک کسی نہ کسی فیصلے پر پہنچ جائیں گے۔''

شہزادہ حکم چلا گیا۔ امیر اپنے بستر پر دراز ہو گیا۔ اس کے تصور میں مدینۃ الزہرہ گھوم رہا تھا۔ عظیم الشان گنبدوں اور میناروں والی نظر نواز مسجد، دل فریب فوارے، فردوس ساماں محلات، اس کے خوابوں کی حسین و جمیل تعبیر، بل کہ پچیس برسوں کی انتھک کوششوں کا دل کش مرقع نہیں نہیں، وہ ایسے شان دار شاہ کار کو ہرگز مسمار نہیں کرے گا۔ بھلا زمین کو آباد کرنا، شہر بنانا، مسجد تعمیر کرنا، یہ سب کہاں سے جرم ہو گئے! ان تمام چیزوں میں باشندگانِ مملکت کی فلاح کا سامان ہی تو ہے۔ وہ ضرور مدینۃ الزہرہ کو آباد کر کے دم لے گا۔ وہ تاریخ اسلام کا بے نظیر شہر ہوگا۔ رہتی دنیا تک اموی حکمرانوں کے

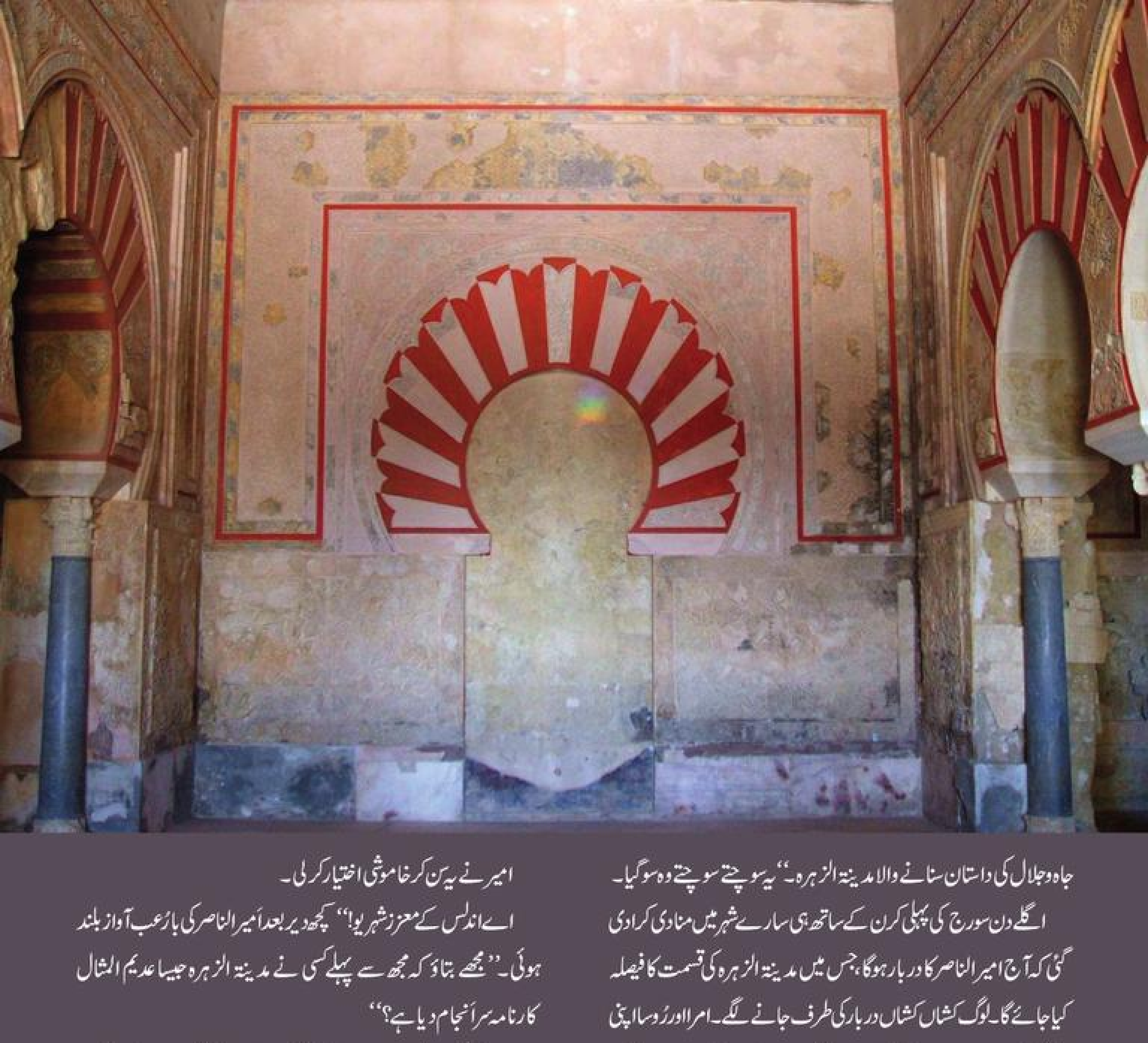

جاہ وجلال کی داستان سنانے والا مدینۃ الزہرہ۔'' یہ سوچتے سوچتے وہ سوگیا۔

اگلے دن سورج کی پہلی کرن کے ساتھ ہی سارے شہر میں منادی کرادی گئی کہ آج امیر الناصر کا دربار ہوگا، جس میں مدینۃ الزہرہ کی قسمت کا فیصلہ کیا جائے گا۔ لوگ کشاں کشاں دربار کی طرف جانے لگے۔ امرا اور رُوسا اپنی اپنی مخصوص سواریوں پر بڑی شان سے تشریف لائے۔ منذر بن سعید رحمۃ اللہ علیہ نہایت معمولی کپڑے زیب تن کیے دربار میں داخل ہوئے۔ دربار میں شریک ہونے سے قبل ہی انھوں نے لوگوں سے کہہ دیا تھا کہ وہ واپس زندہ واپس نہ آسکیں گے، کیوں کہ وہ بھرے دربار میں حق کا اعلان کرنے جا رہے تھے۔

ملک اندلس کا بلند المرتبت خلیفہ و اِمام، امیر عبدالرحمن الناصر کہنے لگا:

''آگے تشریف لائیں۔''

''نہیں نہیں۔'' منذر رحمۃ اللہ علیہ نے ایک گوشے میں جگہ سنبھالتے ہوئے کہا۔

''میں یہاں بیٹھ جاتا ہوں، کیوں کہ لوگوں کی گردنیں پھاند کر آگے جانا آدابِ مجلس کے خلاف ہے۔''

امیر نے یہ سن کر خاموشی اختیار کرلی۔

اے اندلس کے معزز شہریو!'' کچھ دیر بعد امیر الناصر کی بارُعب آواز بلند ہوئی۔ ''مجھے بتاؤ کہ مجھ سے پہلے کسی نے مدینۃ الزہرہ جیسا عدیم المثال کارنامہ سرانجام دیا ہے؟''

''نہیں۔'' سارے درباری یک زبان ہوکر گویا ہوئے۔ ''امیر المومنین! آپ اپنے کارنامے میں بالکل منفرد ہیں۔''

''اے منذر بن سعید! آپ اپنی رائے پیش کریں اور بتائیں کہ آپ کو مدینۃ الزہرہ جیسا جلال و جمال، شہر بے مثال و باکمال اور ہمارے دربار کی سی شان و شوکت، جاہ و حشمت کہیں اور نظر آئی۔''

امیر کے اس سوال پر منذر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی گردن اٹھائی اور دربار کے حسین پردوں، مزین و منقش دیواروں اور دروازوں پر ایک نگاہ ڈالی۔ دربار کی ہر جانب، ہر گوشہ پُرکشش تھا۔ ہر طرف جیسے ایک جنت تھی۔ کتنا شان دار دربار، کتنے قیمتی جواہر ہیں! چند لمحوں تک وہ ایک ایک چیز

کو بغور دیکھتے رہے، پھر اچانک وہ رو پڑے۔ سارا دربار حیرت میں ڈوب گیا۔ تھوڑی ہی دیر میں چند درباریوں کی آنکھیں بھی اشک بار ہو گئیں۔ امیر عبدالرحمن کا دِل جیسے لرز اُٹھا۔ دربار میں چاروں طرف گہرا سکوت طاری تھا۔ کبھی کبھی رونے کی آواز سسکیوں میں بدل جاتی تھی۔

''امیر المومنین!'' منذر رحمۃ اللہ علیہ کی آواز درد میں ڈوبی ہوئی تھی۔ ''میں اپنی رائے دینے سے قبل آپ کو جعفر منصور کا واقعہ یاد دِلانا چاہتا ہوں، جس نے شہر بغداد تعمیر کیا تھا۔

ایک دفعہ اس نے اپنے وقت کے بہت بڑے عالم ابن طاؤس رحمۃ اللہ علیہ سے کہا کہ وہ کوئی حدیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بیان کریں۔ ابن طاؤس رحمۃ اللہ علیہ نے دیکھا کہ پیچھے جلادوں کی ننگی تلواریں چمک رہی ہیں۔ انھوں نے اطمینان کا سانس لیتے ہوئے پہلے حدیث بیان کی، پھر منصور کو نصیحت کرتے ہوئے انھوں نے کہا کہ وہ اپنی رعایا کے معاملے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرے۔ دربار کے حاضرین کو یقین ہو چکا تھا کہ اب پل بھر میں جلادوں کو حکم دیا جائے گا کہ ابن طاؤس رحمۃ اللہ علیہ کا سَر قلم کر دیں، لیکن جعفر منصور کسی گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔ اس نے قدرے توقف سے کہا:

''ابن طاؤس! کچھ اور سناؤ۔'' ابن طاؤس رحمۃ اللہ علیہ نے اسی متانت سے سورۂ مدثر کی چند آیات کا ترجمہ پیش کیا، پھر وضاحت کرتے ہوئے کہا:

''یہاں آیاتِ قرآنیہ کا اشارہ اگرچہ ولید بن مغیرہ کی طرف ہے، لیکن ان کا عمومی اشارہ ہر اُس شخص کی طرف ہے جو اللہ تعالیٰ کی نعمت پر ناشکری کرے، اللہ تعالیٰ کے سامنے کھلی سرکشی کا مظاہرہ کرے اور اپنے مال کو ناجائز طریقے سے خرچ کرے۔''

یہ واقعہ سنا کر منذر بن سعید رحمۃ اللہ علیہ نے امیر الناصر سے کہا: ''اے امیر! میں آپ کا ہمیشہ سے خیر خواہ رہا ہوں۔ مجھے اس بات کا وہم وگمان بھی نہ تھا کہ آپ اتنی جلدی شیطان کے ہتھے چڑھ جائیں گے۔ آپ میں بہت سی خوبیاں ہیں، لیکن افسوس کہ آپ اب کفر کے مقام کے قریب پہنچ رہے ہیں۔''

امیر عبدالرحمن کو یوں لگا جیسے کسی نے اس کے منہ پر تھپڑ دے مارا ہو۔ اس نے گرج کر کہا: ''منذر! ذرا سنبھل کر بات کرو، تم کس طرح ثابت کرو گے کہ میں مقام کفر کے قریب پہنچ گیا ہوں۔''

منذر رحمۃ اللہ علیہ نے بادشاہ کے غصے کی پروا نہ کرتے ہوئے کہا:

''میں ہمیشہ سنبھل کر گفتگو کرنے کا عادی ہوں۔ تم تفصیل سننا چاہتے ہو تو سنو:

'اگر یہ خیال نہ ہوتا کہ سب لوگ ایک ہی جماعت ہو جائیں گے تو جو لوگ خدا کے ساتھ کفر کرتے ہیں ہم ان کے گھروں کی چھتیں سونے چاندی کی بنا دیتے اور سیڑھیاں بھی، جن پر چڑھتے اترتے ہیں اور اُن کے گھروں کے دروازے بھی اور تخت بھی، جن پر تکیہ لگا کر بیٹھتے ہیں۔ اور خوب زینت وآرائش کر دیتے۔ اور یہ سب زندگانی کا تھوڑا سا سامان ہے، اور آخرت تمھارے پروردگار کے ہاں پرہیز گاروں کے لیے بہتر ہے۔''

(سورۂ زخرف: ۳۳ تا ۳۵)

منذر رحمۃ اللہ علیہ سورۂ زخرف کی مذکورہ بالا آیات کی تلاوت کرنے کے بعد گویا ہوئے:

''اے امیر! اب غور فرمائیے۔ سوچیے کہ سونے کی یہ جگ مگاتی چھتیں، بلور کے یہ عکس آفریں زینے، زینت وآرائش پر کروڑوں کا یہ خرچ! یہ سب آخر کیا ہے؟ کیا یہ فضول خرچی اور اِسراف میں داخل نہیں ہے۔ کیا یہ سب شیطان کی لگائی ہوئی آگ نہیں ہے۔ یاد رکھیے اے امیر! یہ دنیا بہت بے وفا ہے۔ ایک دن ہمیں اس جہانِ فانی سے کوچ کرنا ہے۔ زندگی کی رنگینیوں میں آدمی بہت جلد کھو جاتا ہے۔ آپ کی پچھلی زندگی شان دار کارناموں کا لافانی مجموعہ ہے۔ آپ نے کفر وشرک کے خلاف علمِ بغاوت بلند کیا تھا۔ آپ نے ہر محاذ پر دشمنانِ اسلام کے دانت کھٹے کر دیے تھے۔ اب زندگی کے آخری لمحات میں ایسا سامان اکٹھا نہ کیجیے، جس سے اللہ تعالیٰ ناراض ہو اور گزشتہ پاکیزہ زندگی بے وقعت اور بے کار ہو جائے۔''

منذر رحمۃ اللہ علیہ کی تقریر بڑی اثر آفریں تھی، ایک ایک لفظ دل کی گہرائیوں سے نکل رہا تھا۔ امیر الناصر کا دل دھیرے دھیرے نرم ہوتا جا رہا تھا۔ آنسوؤں کے گرم گرم قطرے اس کی آنکھوں سے ابل پڑے اور وہ بھرائی ہوئی آواز میں کہنے لگا:

''منذر بن سعید! تم اللہ کے ایک سچے اور برگزیدہ بندے ہو، تمھاری بے لاگ گفتگو کی میں دل سے قدر کرتا ہوں۔ تم تاریکیوں میں جگ مگانے والا روشن چراغ ہو، تم روشنی کا ایک مینار ہو، جس سے نکلنے والی شعاعیں انسانیت کو راہِ راست دکھاتی ہیں۔ تم نے میری آنکھیں کھول دی ہیں۔ اللہ تمھیں جزائے خیر عطا فرمائے۔ دربار برخاست ہوا۔''

امام منذر بن سعید رحمۃ اللہ علیہ بھی گھر پہنچے۔ دیکھا کہ گھر کے باہر لوگ کھڑے ہیں۔ امام رحمۃ اللہ علیہ نے مسکراتے ہوئے کہا:

''مجھے زندہ دیکھ کر آپ کو حیرت ہو رہی ہوگی، لیکن میں آپ کو بتاؤں کہ بہترین جہاد یہی ہے کہ حق بات بادشاہوں، حاکموں اور صاحبانِ اقتدار کے سامنے برملا کہہ دی جائے۔ میں تو یہ سوچ کر گیا تھا کہ آج میرے جسم کے خون کے چھینٹے شاہی فرش کو سرخ جوڑے میں ملبوس کردیں گے، لیکن اللہ تعالیٰ کی کارسازی کو کون جان سکتا ہے......''

ابھی وہ کچھ اور کہنا چاہتے تھے کہ انھوں نے دیکھا کہ ایک سپاہی تیز تیز اُن کی طرف آرہا ہے۔ تمام لوگوں کا ماتھا ٹھنکا۔ امام منذر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنی بات روک دی۔ جب سپاہی قریب پہنچا تو منذر رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

''امیر عبدالرحمن پر غالباً شیطان کا جادو چل گیا ہے اور شاید تم میری گرفتاری کا پروانہ لے کر آئے ہو۔ میں تو کب سے اللہ تعالیٰ کی راہ میں شہید ہونے کے لیے بے چین تھا۔ چلو، میں ابھی چلتا ہوں تمھارے ہمراہ!''

لوگوں کے ہوش و حواس گم ہوگئے۔ سپاہی نے ذرا سا دم لیا اور پھر دھیرے سے کہا:

''نہیں، یہ بات نہیں ہے۔''

یہ سنتے ہی لوگوں کے چہرے خوشی سے کھل اٹھے۔

''میں آپ کو ایک خوش خبری سنانے آیا ہوں۔'' سپاہی بول رہا تھا۔ ''وہ یہ کہ بادشاہ سلامت نے محل کے گنبد مسمار کردیے ہیں۔ سونے چاندی اور جواہرات کو نکال دینے کا فرمان جاری کردیا ہے۔''

سپاہی کہتا جارہا تھا اور امام منذر بن سعید رحمۃ اللہ علیہ کا سر ربِ کائنات کے حضور جھکتا جارہا تھا۔ ان کی آنکھوں سے آنسو چھلک آئے اور وہ بے ساختہ پکار اُٹھے:

''اے رب العالمین! امیر عبدالرحمن کی لغزشوں کو معاف کردے اور اُس کی توبہ قبول فرمالے۔''

(ماخذ: حیات تابعین کے درخشاں پہلو، از محمود احمد۔ تاریخ کے حیرت انگیز لمحات، از ظہور احمد)

# سوال آدھا جواب آدھا ۳۴

الطاف حسین۔ کراچی

اس کھیل میں چند جملے ہیں، ہر جملہ دو حصوں پر مشتمل ہے۔ پہلے حصے میں کچھ معلومات دی گئی ہیں، جب کہ دوسرے حصے میں اسی طرح کی معلومات آپ سے پوچھی گئی ہیں۔ آپ مطلوبہ معلومات ہمیں ۳۱، جولائی تک ارسال کر دیجیے، ہم آپ کو اِس کا انعام روانہ کر دیں گے۔ ایک سے زیادہ درست جوابات موصول ہونے کی صورت میں قرعہ اندازی کے ذریعے تین قارئین کرام کو انعام سے نوازا جائے گا۔ کوپن پُر کر کے ساتھ بھیجنا نہ بھولیے گا۔

1. قرآن مجید کی ''سورۂ ابراہیم'' میں چار انبیائے کرام علیہم السلام (حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت اسمٰعیل علیہ السلام، حضرت اسحٰق علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام) کا ذکر آیا ہے...... بتائیے ''سورۂ یوسف'' میں کن چار انبیائے کرام علیہم السلام کا ذکر آیا ہے؟
2. اسلام کی حمایت میں پہلا تیر حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے چلایا تھا...... بتائیے اسلام کی خاطر سب سے پہلے تلوار اُٹھانے کا اعزاز کن صحابی رضی اللہ عنہ کو حاصل ہوا تھا؟
3. خلافتِ بنواُمیہ کے تیسرے خلیفہ کا نام معاویہ ثانی تھا...... آپ یہ بتائیے کہ خلافتِ بنوعباس کے تیسرے خلیفہ کا کیا نام تھا؟
4. ''خدا کی سرزمین'' صومالیہ کو کہا جاتا ہے...... بتائیے ''دودھ اور شہد کی سرزمین'' کس ملک کو کہتے ہیں؟
5. برازیل کی کرنسی ''ریئل'' کہلاتی ہے...... کیا آپ جانتے ہیں کہ ''بِر'' کس ملک کی کرنسی کا نام ہے؟
6. آسٹریلیا کے قومی ترانے کا عنوان ہے ''خدا ملکہ کی عمر دراز کرے!'' ...... بتائیے ''خدا ملکہ کو حفاظت میں رکھے!'' کس ملک کے قومی ترانے کا عنوان ہے؟
7. ادیب اپنے اصلی نام کی جگہ جو نام استعمال کرتے ہیں اسے ''قلمی نام'' کہتے ہیں...... آپ یہ بتائیے کہ شاعر اپنے کلام کے آخری شعر میں اپنے اصلی نام کی جگہ جو نام استعمال کرتے ہیں اُسے کیا کہا جاتا ہے؟
8. ''اپنی آبرو اپنے ہاتھ'' اردو زبان کی ایک مشہور ضربُ المثل ہے، جس کا مطلب ہے ''اپنی عزت کو بچانا انسان کے اپنے ہاتھ میں ہوتا ہے''...... بتائیے ''مال مفت دلِ بے رحم'' کا کیا مطلب ہے؟

# آم مہم

رملہ کامران۔ کراچی

آم کی طرف
آہستگی سے رینگتے ہوئے
ہمارے ہاتھ پر جب امی کی زوردار چپت لگی تو ہم نے تلملا کر ہاتھ پیچھے کر لیے اور معصوم صورت بنا کر امی کی طرف دیکھا جو غصے سے کمر پر ہاتھ رکھے ہمیں گھورے جا رہی تھیں۔

''یہ کوئی پانچواں آم ہے جو تم آج کے دن کھا رہے ہو، پیٹ خراب ہو جائے گا۔''

اور پھر امی آم سے بھری ٹوکری اٹھا کر لے گئیں اور ہم اسے حسرت سے جاتا دیکھتے رہے۔ ایسا لگ رہا تھا کہ جیسے آم بھی ہمیں منہ چڑا رہے ہوں۔

''کیا مصیبت ہے! امی تو صبح سے آم کھانے ہی نہیں دیتیں۔''

ہم بڑبڑا کر رہ گئے۔

اچانک پیچھے سے ہنسی کی آواز آئی۔ ہم نے ہڑبڑا کر پیچھے دیکھا تو چنو اور منو، دونوں کھڑے زور زور سے ہنس رہے تھے۔

''تم لوگوں کو میں نے کوئی لطیفہ سنا دیا ہے جو اِس طرح ہنس رہے ہو؟''

ہم نے کہا تو دونوں نے فوراً دانت اندر کیے اور وہاں سے رفو چکر ہو گئے، جب کہ ہم ان دونوں کو گھور کر رہ گئے۔

گرمیاں اپنے عروج پر تھیں اور گرمیوں کی چھٹیاں اپنے پورے جوش سے چل رہی تھیں۔ چوں کہ گرمیوں کی چھٹیاں شروع ہو چکی تھیں اس وجہ سے خالہ جان اپنے پورے ٹولے کے ساتھ ہمارے گھر موجود تھیں۔ یہ منو اور چنو، خالہ کے سب سے چھوٹے مسخرے تھے۔ کہنے کو تو چھوٹے تھے، لیکن اصل میں پورے کے پورے شیطان تھے۔

ہمیں پتا تھا اب یہ پورے گھر میں ہماری بے عزتی کا ڈھنڈورا

پیٹیں گے، اور ہوا بھی یہی، اگلے دو منٹ میں ہی ہر ایک کے کان میں یہ واقعہ پہنچ چکا تھا اور ہم پورے کے پورے بے عزت ہو گئے تھے۔ ہم شرمندہ شرمندہ سے اِدھر اُدھر پھر رہے تھا۔

''آخر چار آم کھا لیے تو کیا ہو گیا! گرمیوں میں تو سب ہی کھاتے ہیں۔''

یہ سوچ کر کے ہم نے اپنے ذہن میں خود کو تسلی دی۔ اتنے میں ہمارے سامنے ایک پرچی آ کر گری۔ پہلے تو ہم نے آس پاس دیکھا تو کوئی نظر نہ آیا، سب اپنی اپنی باتوں میں مصروف تھے، پھر ہم نے پرچی اُٹھائی اور اُسے الٹ پلٹ کر دیکھا۔ وہ ایک صاف ستھرا کاغذ ہی تو تھا۔ ہم نے اچھنبے سے پرچی کھولی تو اُس میں لکھا تھا:

''آج رات ایک بجے چھت پر پہنچ جانا۔''

یہ ایک مخصوص اشارہ تھا، ہم بہت خوش ہوئے۔

رات کو ہر طرف خاموشی تھی۔ سب گہری نیند میں ڈوبے ہوئے تھے۔ ایسے میں ہم بے چینی سے بار بار گھڑی دیکھ رہے تھے۔ ایک بجنے میں صرف پانچ منٹ رہ گئے تھے۔ بمشکل ہم نے اندھیرے میں گھڑی پر نظر ڈالی، پھر آہستہ آہستہ اور بہت احتیاط سے اٹھنے لگے، کیوں کہ برابر والے پلنگ پر امی سو رہی تھیں۔ جیسے ہی ہم کھڑے ہو کر باہر جانے لگے پیچھے سے آواز آئی:

''کہاں جا رہے ہو؟''

یہ ہماری امی جان کی آواز تھی۔

''وہ امی! پانی پینے جا رہا ہوں۔''

ہم نے جھوٹ کا سہارا لیا۔

''پانی تمھارے برابر میں ہی رکھا ہے، زیادہ فضول مت بولو۔ بتاؤ، اٹھ کر کہاں جا رہے ہو؟''

امی نے دوبارہ سوال کیا۔

''امی! وہ...... اوہ ہاں، میں بب...... بھول گیا، پانی تو میں پی چکا ہوں، میں باتھ روم جا رہا ہوں۔''

ہم نے دوبارہ وہی غلط کام کیا، یعنی دوسرا جھوٹ بولا۔

اماں جان بھی شاید گہری نیند میں تھیں، انھوں نے اچھا کہہ کر کروٹ بدلی اور دوبارہ سو گئیں۔ ہم دبے قدموں اٹھے اور بلی کی طرح رینگ رینگ کر چھت پر جا پہنچے۔

چھت پر پوری فوج جمع تھی۔ سب نے منصوبہ بنایا آج کی بے عزتی کا بدلہ لینے کا، کیوں کہ تقریباً سب کے ساتھ ایسا کوئی نہ کوئی واقعہ پیش آ چکا تھا۔

''اگر ہم برابر والے فرحان انکل کے گھر کے باغ سے بہت سارے آم توڑ کر لے آئیں تو کیسا رہے گا؟''

شنّو نے ایک خیال پیش کیا۔

''تا کہ اگلے دن وہ آ کر ہمارے امی ابو سے شکایت کر دیں اور ہم بڑے آرام سے پکڑے جائیں۔''

ببلو نے یہ کہہ کر اِس خیال کو رَد کر دیا۔

''کیوں نہ ہم ابا سے پیسے مانگ لیں؟''

یہ مُنّی تھی۔ سب اسے کھا جانے والی نظروں سے دیکھنے لگے۔

''ہاں ہاں، ابا کیوں دینے لگے پیسے، اور تم اپنی چاکلیٹ دو آموں کے لیے قربان کر سکتی ہو کیا؟''

پپو طنزیہ لہجے میں بولا۔

ایسے میں سنّی کا چہرہ ایک خیال سے دمک رہا تھا، وہ فوراً ہی بولا:

''ہاں، مُنّی ٹھیک کہہ رہی ہے۔ ابا سے پیسے مانگے جا سکتے ہیں اور صرف ابا سے ہی نہیں، بل کہ آپا، ماموں، ممانی اور اِن سب بڑوں سے کسی طرح بھی پیسے جمع ہو جائیں تو یہ کام ہو سکتا ہے۔''

یہ سن کر ببلو نے سب کی ذمے داریاں لگائیں، منی، ابا سے اپنی چاکلیٹ کے بہانے پیسے مانگے گی۔ چنو، چاچو سے اپنی ٹافیاں خریدنے کے بہانے پیسے مانگے گا۔ منّو، آپا سے قریب ہونے کی وجہ سے ان سے پیسے مانگ لے اور اسی طرح سب کو بتا کر اُن کی یہ میٹنگ آخر کار اپنے اختتام کو پہنچی۔

اگلے دن صبح صبح معمول کے مطابق مُنّی نے ابو سے تین چاکلیٹوں کے لیے پیسے مانگے جو کہ ابو نے یہ سمجھتے ہوئے کہ منی کو چاکلیٹ کھانی ہے، فوراً دے دیے۔ اُدھر چنو نے بھی بغیر کسی مشکل کے چاچو سے تھوڑے سے زیادہ پیسے لے لیے، لیکن ببلو کو جو کہ پڑوس والی جمیلہ آنٹی سے پیسے لینے گیا تھا، بہت زیادہ منتوں کے بعد پیسے ملے۔ اسی طرح باقی سب بچوں نے بھی کسی نہ کسی طرح سب لوگوں سے پیسے لے لیے۔ جب سب بچوں نے اپنے اپنے پیسے نکالے تو اچھے خاصے پیسے جمع ہو چکے تھے۔

محلے میں ایک بابا جی رہتے تھے جو اِن بچوں سے کافی مانوس

بھی تھے۔ بچوں نے اسی چیز کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اُن بابا جی کے گھر میں رہنے والے ایک نوکر سے آم کی پوری دو پیٹیاں منگوالیں، البتہ بابا جی کو اِن بچوں نے کسی کو بھی بتانے سے منع کیا تھا، اسی لیے انھوں نے اپنا منہ بند رکھا۔ بابا جی تھے بھی تھوڑے بھولے بھالے، جو اِن بچوں کی باتوں میں فوراً آجاتے تھے۔ دونوں پیٹیوں کو چھت پر ایک خفیہ جگہ چھپا دیا گیا کہ کسی کو خبر تک نہ ہو۔

رات کے کسی پہر شنّو نے باورچی خانے سے ساری پلیٹیں اور چھریاں اٹھائیں اور اُوپر چھت پر چلا آیا، جہاں سب پہلے سے ہی موجود تھے۔

’’پہلے ہم سب بیٹھ کر سارے آموں کے چھلکے اتاریں گے، تاکہ ایک ساتھ مزے لے لے کر کھاسکیں۔‘‘

ببلو نے حکم صادر کیا، کیوں کہ وہ ان میں سب سے بڑا بھی تھا اور سب کو اُس کی یہ بات مناسب بھی لگی جس کی وجہ سے سب آم چھیلنے بیٹھ گئے۔ دو گھنٹے بعد سارے کے سارے آم بغیر چھلکوں کے ٹوکری میں موجود تھے اور سب کی پلیٹوں میں ایک ایک دو دو آم تو ضرور نظر آرہے تھے۔ آہستہ آہستہ سب تھکنے لگے، لیکن آم ختم ہو کر ہی نہیں دے رہے تھے۔

’’بھئی چھوڑو بھی، اب تو ایسا لگ رہا ہے کہ ذرا سا بھی اور آم کھایا تو پیٹ پھٹ جائے گا۔‘‘

یہ چنّو تھا، جو کہ شاید ساتواں آم ختم کر رہا تھا۔

’’ہاں بھئی، میرا بھی پیٹ بھر گیا ہے، میں تو چلا سونے۔‘‘

منّو شاید واقعی سونے کے لیے اٹھ رہا تھا۔

’’ہاں بھئی، تم جاؤ سونے، تاکہ ہم مزے سے یہاں بیٹھ کر یہ ٹوکری میں بھرے ہوئے آم ختم کریں۔‘‘

ببلو نے گھور کر اُسے دیکھا تو وہ جو سونے چلا تھا، فوراً واپس بیٹھ گیا۔

’’ارے ہاں، میرے پاس ایک حل ہے، ہم ان سارے آموں کو فریج میں رکھ دیتے ہیں اور صبح امی سے کہیں گے کہ یہ بابا جی کے ہاں سے آئے تھے، تھوڑے سے ہم نے کھالیے اور باقی بچ گئے۔‘‘

ہم نے اس مشکل کا ایک آسان سا حل بتایا۔

’’اچھا! اور اگر چچی نے پوچھ لیا کہ یہ سارے چھلے ہوئے کیوں ہیں تو کیا کہیں گے؟‘‘

یہ بات چنو نے پوچھی، جو کہ اب تک آٹھواں آم آدھا کھا چکا تھا اور باقی کو ختم کرنے کی پُرزور کوشش کر رہا تھا۔

’’ارے بھئی، کہہ دیں گے کہ یہ چھلے ہوئے ہی آئے تھے اور ویسے بھی امی کو پتا ہے کہ بابا جی ایسے ہی بھیجتے رہتے ہیں۔‘‘

یہ بات سب کو پسند آئی اور پھر سب نے اپنے اپنے آم فریج میں ٹھونسے اور سونے کے لیے چلے گئے۔

......☆......

سورج اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ چمک رہا تھا، ایسے میں باورچی خانے سے کھڑک کھڑاک کی آوازیں آرہی تھیں۔ غالباً امی اٹھ چکی تھیں۔ باورچی خانے کے اندر صاف دکھائی دے رہا تھا کہ امی آگ بگولا چہرے کے ساتھ فریج کھولے کھڑی ہیں۔ کچھ ہی دیر میں امی کے چہرے پر مسکراہٹ نمودار ہوئی اور وہ فریج کا دروازہ بند کر کے واپس اپنے کام میں مصروف ہوگئیں۔

ہماری آنکھ کھلی تو ہر طرف روشنی ہو چکی تھی۔ ہم اٹھ کر بیٹھ گئے۔ رات والا واقعہ یاد آیا تو فوراً ایک ڈر محسوس ہوا کہ کہیں امی نے دیکھ نہ لیا ہو، پھر کیا تھا، فوراً اُٹھ کر باہر آئے۔

جس کا ڈر تھا وہی ہوا، ہمارے سارے کے سارے کزنز، جو رات کو آم کھانے میں شریک تھے، اس وقت بھی وہی آم بیٹھے ٹھونس رہے تھے۔

وہی گلے سڑے، عجیب سے چھلے ہوئے آم بیٹھے کھا رہے تھے اور سب بڑے تماشائیوں کی طرح بیٹھ کر مزے سے اس منظر سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ نجانے امی کو کہاں سے پتا چل گیا تھا۔ اب ہمیں خیال آیا، رات کو کھائے جانے والے آم بھی گلے سڑے ہوں گے۔

ہم ابھی واپس جانے ہی والے تھے کہ امی جان نے ہمیں بھی بلا لیا۔ ہم بے چارے مرتے کیا نہ کرتے، ان کے ساتھ شامل ہو کر بمشکل گلے سڑے آم ٹھونستے ہوئے خود کو کوسنے لگے اور آئندہ کے لیے کوئی بھی کام بڑوں کو بتائے بغیر کرنے سے توبہ کر لی۔

پیارے قارئین!

آپ کو بھی مشورہ ہے کہ کبھی بڑوں کو بتائے بغیر کوئی کام مت کیا کیجیے۔

# شیرو کا شاہو

تنزیلہ احمد۔ اوکاڑہ

"آج پھر تم اس طرف گئے تھے؟ شاہو! تمھیں سمجھایا تھا نا کہ اس طرف کبھی مت جانا! وہ جگہ تمھارے لیے محفوظ نہیں ہے۔"

"مم...... میں، نہیں تو۔ شیرو! میں کب گیا وہاں؟" شاہو نے آنکھیں چراتے ہوئے کہا تو اَماں نے ٹوکا:

"اونہہ ہوں، غلط بات!"

"ہی ہی ہی۔" بجائے شرمندہ ہونے کے وہ ہنسنے لگا۔

"اچھا تو اَماں نے شیرو کو شکایت لگائی ہے، لیکن اماں نے مجھے یہ نہیں بتایا کہ وہاں کیوں نہیں جانا۔ اب یہ مجھے شیرو بتائے گا۔"

شوخی سے کہتے ہوئے اس نے آنکھیں مٹکائیں۔

شاہو کو اپنے باپ سے بے حد محبت تھی اور اُس کا باپ ٹھہرا جنگل کا بادشاہ! شیرنی ماں کو تو وہ اماں پکارتا، مگر باپ کے لیے اس نے ہوش سنبھالتے ہی شیرو کا لفظ سنا تھا۔ اسی وجہ سے اس کی زبان پر بھی شیرو چڑھ گیا تھا۔ شیرو سب کے لیے جنگل کا راجا تھا، سخت گیر اور اُصول پسند، مگر بیٹے کے لیے وہ ایک دوست تھا۔ ایسا دوست جس کے ساتھ شاہو سب سے زیادہ بے تکلف تھا۔ دل کی بات کہتا، خوب پیار کرتا اور ہنسی مزاح بھی کرتا۔

شیرنی ماں کچھ دن سے دیکھ رہی تھی کہ شاہو کی جنگل کے اس ویران حصے کی طرف دل چسپی بڑھتی جا رہی ہے، جہاں کسی بھی بچے کو جانے کی اجازت نہ تھی، مگر شاہو اپنی شرارتی اور تجسس بھری فطرت کے ہاتھوں مجبور ہو کر آج اس حصے کے قریب قریب جا پہنچا تھا۔ یہ تو بھلا ہو اُن کی سہیلی چیتی کے شوہر کا جس نے شاہو کو وہاں دیکھا اور بحفاظت واپس لے آیا۔

"دیکھو بچے! بڑے جو بات کہتے ہیں اسے مان لینے میں بھلائی ہوتی ہے۔ بہت ساری باتیں تمھیں بڑا ہونے پر خود بخود سمجھ آ جائیں گی۔ منع کیا ہے تو کوئی وجہ ہے نا! اپنی شیرنی ماں کی بات ماننا تو تم پر ویسے بھی فرض ہے۔"

شیرو نے پیار سے اس کے گھنے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے شیرو! لیکن وجہ بھی تو بتائیں۔ آخر کو میں شیرو کا اکلوتا بیٹا ہوں۔ جنگل کے بارے مجھے بھی سب پتا ہونا چاہیے نا!"

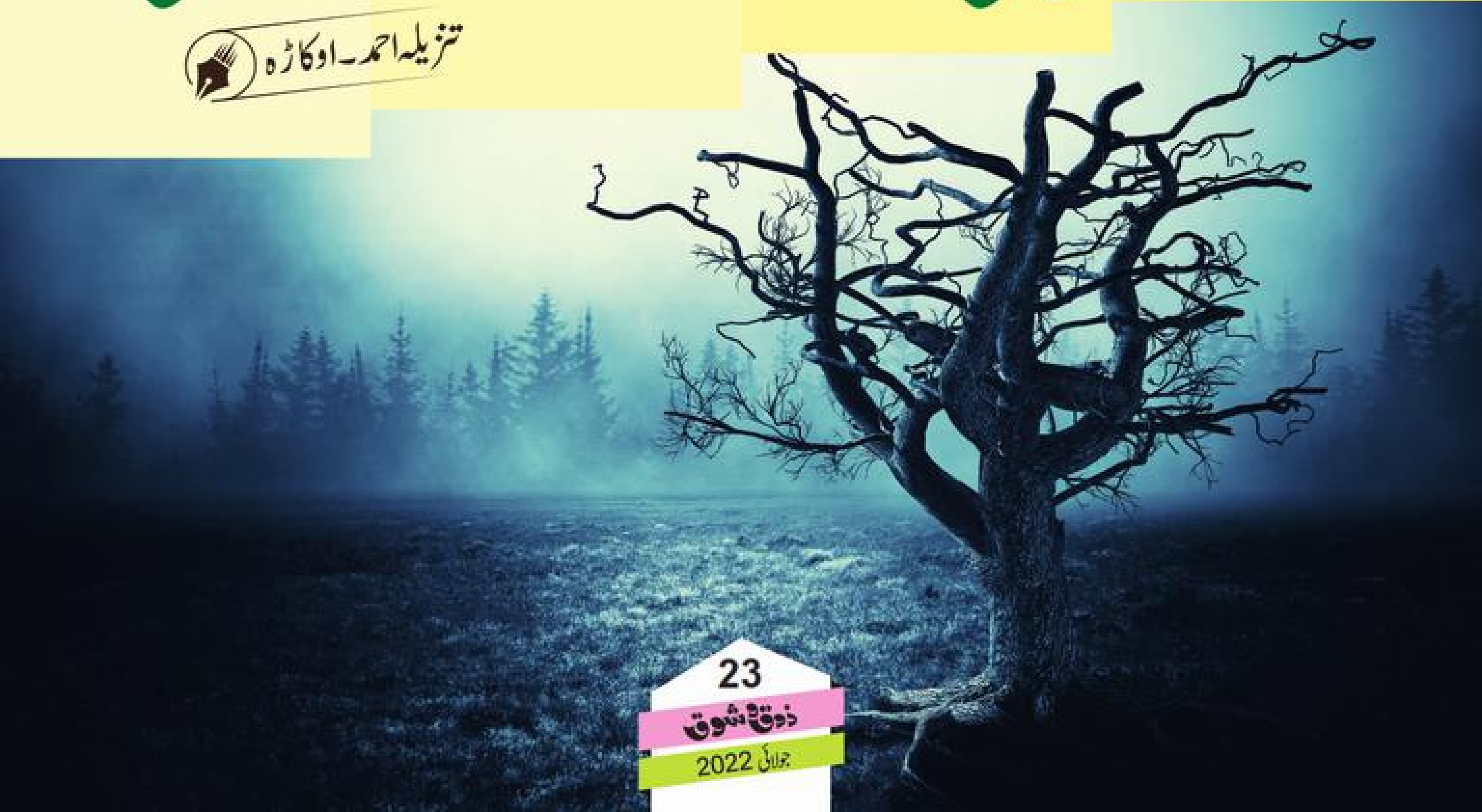

اپنا چھوٹا سا سینہ اکڑاتے ہوئے شاہو بولا تو شیرنی اور شیرو کی ہنسی چھوٹ گئی۔شیرو جانتا تھا کہ شاہو بہت ذہین ہے، وہ ایسے نہیں مانے گا، اسے سب بتانا پڑے گا، ورنہ اس کا تجسس بڑھتا جائے گا۔

''اچھا چلو، کل بتاؤں گا۔ابھی مجھے جنگل میٹنگ میں پہنچنا ہے۔آج تم نے بہت مستیاں کی ہیں، اب آرام کرو اور ہاں ماں کو ستانا مت۔''اس کی پیٹھ تھپکتے ہوئے شیرو جیسے ہی باہر نکلا شاہو خوشی سے چھلانگیں لگانے لگا۔ اسے راز جاننے کا انتظار تھا۔

اگلے روز شیرو کو ضروری کام سے اچانک دوسرے جنگل جانا پڑ گیا۔شاہو جب سو کر اُٹھا تو شیرو کے جانے کی خبر سن کر بہت اداس ہوا۔آدھا دن گھر میں بیٹھ کر بور ہوتا رہا اور پھر کھیلنے کے لیے باہر نکل گیا۔کھیلتے ہوئے غیر محسوس طور وہ جنگل کے ممنوعہ حصے تک جا پہنچا۔

کالے سڑے درخت، عجیب وغریب آوازیں اور ہلکا دھواں بہت ہول ناک لگ رہا تھا۔کوئی اور بچہ ہوتا تو ڈر جاتا، مگر وہ جنگل کے بادشاہ شیرو کا شاہو تھا۔چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا وہ دھویں کی طرف بڑھتا گیا۔اچانک اسے لگا کہ سر کے اوپر سے کوئی چیز اُڑتی ہوئی گئی ہے۔اس کی چیخ نکلتے نکلتے رہ گئی۔تھوڑا سا آگے بڑھا تو پنجے زمین میں دھنسنے لگے۔

''یہاں زمین اتنی نرم کیوں ہے؟''بڑبڑاتے ہوئے اس نے چند قدم مزید اُٹھائے، مگر یہ کیا!؟

جو چیخ پہلے نکلتے نکلتے رہ گئی تھی اب وہ پوری قوت سے اس کے چھوٹے سے حلق سے نکلی اور چاروں طرف گونجنے لگی۔وہ زمین میں دھنس رہا تھا۔ جسے وہ نرم مٹی سمجھتا رہا دراصل وہ دلدلی زمین تھی۔

''شیرو شیرو! اماں، اماں!''خوف سے آنکھیں بند کیے وہ چلانے لگا۔

اچانک اسے یاد آیا کہ شیرو اور اماں کہتے ہیں کہ پریشانی میں گھبراتے نہیں، بل کہ عقل سے کام لیتے ہیں۔نصیحت یاد آتے ہی اس نے آنکھیں کھولیں اور غور سے اردگرد دیکھا۔

''مجھے کچھ کرنا ہوگا۔شور مچانا حل نہیں ہے۔''

پاس ہی اسے گہرے بھورے رنگ کی رسی نما بیلیں نظر آئیں، جو دراصل کسی پرانے درخت کی زمین سے باہر نکلی ہوئی جڑیں تھیں، مگر اُن تک پہنچنا مشکل تھا۔

''شاباش! تم کر سکتے ہو۔تم شیرو کے بچے ہو۔''اس نے اپنے آپ کو حوصلہ دیا اور پچھلی ٹانگوں کو ہلکا چھوڑ کر اگلے حصے کو اُوپر کی جانب اچھالا۔ پہلی کوشش ناکام رہی۔دوسری اور پھر تیسری بھی۔

''کبھی ہار نہیں مانتے میرے بچے!''شیرو نے ایک بار اُسے سمجھایا تھا، جب وہ اسکول کے ایک مقابلے میں اول آنے سے رہ گیا تھا۔

بالآخر کئی کوششوں کے بعد وہ دلدلی زمین سے نکل آیا۔مزید آگے بڑھنے کا ارادہ ترک کر کے اس نے واپسی کا ارادہ کیا، مگر یہ کیا! چاروں جانب ایک ہی جیسے درخت تھے۔وہ کس جانب سے آیا تھا؟ کچھ اندازہ نہیں ہو رہا تھا۔

''اف! میں راستہ بھول چکا ہوں۔شیرو نے ٹھیک کہا تھا کہ بڑے جو کہیں مان لینا چاہیے۔میں نے بہت غلط کیا۔''گھبرا کر اُس نے اردگرد دیکھا اور دِل ہی دل اپنی غلطی تسلیم کی۔

تبھی اسے اپنے پیچھے سرسراہٹ سنائی دی اور سر کے اوپر سے کچھ اڑتا ہوا دور چلا گیا۔اس طرف دیکھتے ہی ایک اور چیخ اس کے حلق سے نکلی۔وہاں کئی چھوٹے بڑے اڑنے والے سانپ تھے جو اُسی کی طرف بڑھ رہے تھے۔

دلدلی زمین، اڑنے والے زہریلے سانپ اور نجانے وہاں کیا کیا تھا!

وہ ان سانپوں سے نہیں لڑ سکتا تھا، اور بھاگتا تو کس جانب؟ اسی لیے کسی بچے کو اِس طرف آنے کی اجازت نہیں تھی۔

اچانک اسے ایک زوردار دھاڑ سنائی دی اور وہ خوشی سے چلایا:

''شیرو آ گیا۔میرا شیرو آ گیا۔''

شیرو بجلی کی تیزی سے آیا اور اُسے منہ میں اٹھا کر جست بھرتے ہوئے وہاں سے نکل گیا۔تھوڑی دیر بھاگتے ہوئے وہ اپنے شاہو کو خطرے سے باہر نکال لایا۔ باہر آتے ہی اسے سب جانور منتظر دِکھائی دیے، جن میں سب سے آگے اس کی اَماں تھی۔

وہ بھاگ کر ماں سے لپٹ گیا۔

شیرو جب دوسرے جنگل سے واپس آیا تو اُسے شاہو کی گم شدگی کی خبر ملی۔وہ فوراً سمجھ گیا کہ شاہو کدھر گیا ہوگا۔شکر ہے کہ وہ وقت پر پہنچ کر بیٹے کو بچانے میں کام یاب ہو گیا تھا۔شاہو، شیرو کے ساتھ کچھار کی جانب بڑھتے ہوئے شرمندگی سے بولا:

بقیہ صفحہ نمبر 33 پر

# بکھرے موتی

## قارئین

☆امید کا دامن کبھی بھی ہاتھ سے نہیں چھوڑنا چاہیے، کیوں کہ امید پر ہی تو یہ دنیا قائم ہے، جب کہ مایوسی، گمراہی اور کفر کی طرف لے جاتی ہے۔

☆ہمیشہ دوسروں کے لیے آسانیاں پیدا کرنے کی کوشش کریں، اللہ تعالیٰ آپ کے راستے کی مشکلات دور فرمائے گا۔

☆زبان کھولنے سے پہلے سوچ لیں کہ دنیا آپ سے زیادہ عقل مند ہے۔

☆جیسا سوچیں گے ویسے بنیں گے، ہمارے خیالات ہی گویا ہماری تقدیر ہیں۔ (شاہد۔لودھراں)

☆اچھا وقت اسی کا ہوتا ہے جو کسی کا بُرا نہیں سوچتا۔

☆اپنے رب کے سوا کسی سے اُمید نہ رکھو۔

☆کام یابی صرف ان لوگوں کو ملتی ہے جنھیں کام یابی کا یقین ہو۔

☆صحیح علم ایک ایسا بادل ہے جس سے ہمیشہ رحمت برستی ہے۔

☆ہر انسان اپنے ظرف کے مطابق دوسروں سے پیش آتا ہے۔

☆ادب سے علم سمجھ میں آتا ہے۔

☆دن کی روشنی میں رزق تلاش کرو اور رات کو اُسے تلاش کرو جو رزق دیتا ہے۔ (صفیہ سہیل۔لاہور)

☆کام یابی ایک دفعہ دروازہ کھٹکھٹاتی ہے، جب کہ ناکامی اور مصیبت ہر وقت۔

☆خوش حال زندگی گزارنا چاہتے ہو تو اپنے آپ کو سنوار لو۔

☆اگر آپ کے اندر جذبہ ہے تو آپ ایک فرد ہو کر بھی ادارے کے برابر کام کر سکتے ہیں۔

☆جڑیں مضبوط ہوں تو بلندی نصیب میں لکھ دی جاتی ہے۔

☆وہ استاد کمال کا انسان ہے جو اپنے اخلاق اور کردار سے شاگرد کی زندگی کو بدل کر رکھ دے۔ (وحید گل۔ژوب)

☆انسان کی لالچ کا پیالہ کبھی نہیں بھرتا، کیوں کہ اس میں ناشکری کے سوراخ ہوتے ہیں، جو اُسے بھرنے نہیں دیتے۔

☆آنکھ دنیا کی ہر ایک چیز دیکھتی ہے، مگر جب آنکھ کے اندر کچھ چلا جائے تو اُسے نہیں دیکھ پاتی، بالکل اسی طرح انسان دوسروں کے عیب تو دیکھتا ہے، پر اپنے عیب اسے نظر نہیں آتے۔

☆مکاروں کو پہچاننے کے بعد بھی ان سے تعلقات رکھنا بربادی کا پیش خیمہ ہے۔

☆جن انسانوں کی انا بہت مضبوط ہوتی ہے ان کی شخصیت بہت کم زور رہ جاتی ہے۔

☆اندھیرے کی سب سے بھیانک قسم منفی سوچ ہوتی ہے، جو اُمید کے ہر چراغ کو گُل کر دیتی ہے۔

☆مشکل میں اللہ تعالیٰ کو یاد رکھنا کوئی کمال نہیں، اصل کمال تو آسانی میں اللہ تعالیٰ کو یاد رکھنا ہے۔ (ریان ریحان۔اسلام آباد)

# وقت کی قدر

عطیہ خان۔ جہلم

”علی بیٹا! ناشتا تو کرلو۔“ امی پریشانی سے آواز دے رہی تھیں۔

”امی اسکول میں کھالوں گا۔“

اسکول سے دیر ہونے کی وجہ سے وہ جلدی کر رہا تھا۔ اس کا بھائی تو پہلے ہی جا چکا تھا، مگر وہ ہمیشہ کی طرح دیر سے اٹھا، جس کی وجہ سے اسے دیر ہوگئی۔ اس کی امی نے اداس نظروں سے اس کے دادا جان کی طرف دیکھا اور برتن سمیٹنے لگیں، کیوں کہ گھر میں دادا جان، دادی جان، امی ابو اور اُس کا چھوٹا بھائی، سبھی علی کی وجہ سے بہت پریشان رہتے تھے۔ علی ساتویں جماعت میں پڑھتا تھا اور ایک ذہین بچہ تھا، مگر اُس کی کبھی جماعت میں پوزیشن نہیں آئی تھی، جس کی صرف ایک وجہ تھی اور اُس کی وہ ایک بُری عادت اس کی سب خوبیوں کو دیمک کی طرح چاٹ رہی تھی اور وہ تھی: ”وقت کی ناقدری۔“

علی رات دیر سے سونے کی وجہ سے صبح دیر سے اٹھتا اور پھر اسکول جلدی پہنچنے کی افراتفری میں اکثر وہ دانت صاف نہ کر پاتا۔ جلدی بازی میں یونی فارم اچھے طریقے سے نہ پہن پاتا اور ناشتا بھی چھوٹ جاتا۔

اسکول پہنچ کر بھی سستی رہتی اور خالی پیٹ ہونے کی وجہ سے اس کی کچھ سمجھ میں نہ آتا۔ گھر واپس پہنچ کر وہ اس قدر تھکن کا شکار ہو چکا ہوتا کہ بمشکل کھانا کھاتا اور سو جاتا، پھر سویا ہی رہ جاتا۔ اکثر عصر کے بعد یا مغرب کے وقت اٹھتا، نہ ہوم ورک کر پاتا نہ اپنے بھائی کی طرح کسی کام میں اپنے امی ابو کا ہاتھ بٹا پاتا۔ دادی جان عشا کی نماز پڑھنے کا کہتیں تو تھکن کی وجہ سے وہ بھی اسے مشکل لگتی۔ وہ اپنا زیادہ تر وقت کمپیوٹر پر گزارتا، جس کی وجہ سے اس کی آنکھوں میں شدید تکلیف رہتی۔ اس سب کی وجہ سے نہ صرف وہ پڑھائی میں پیچھے ہو رہا تھا، بل کہ اس کی صحت بھی خراب ہو رہی تھی۔

.......☆.......

آج علی جب اسکول سے لوٹا تو حسبِ معمول کھانا کھا کر سو گیا، مگر جب شام کو اُٹھا تو وہ بہت چپ چپ اور گم صُم تھا۔ پہلے تو سب کو لگا کہ شاید سستی کی وجہ سے ایسا ہے، مگر پھر دادا جی نے اس کے چہرے

پر پریشانی اور اُداسی کو محسوس کیا۔

رات کے کھانے اور عشا کی نماز کے بعد دادا جان، علی کے پاس آئے اور بہت پیار اور شفقت سے پوچھا:

''علی بیٹا! کیا بات ہے؟ طبیعت ٹھیک نہیں ہے یا پریشان ہو؟''

اس نے اپنے دادا جی کی طرف دیکھا اور پھر شرمندگی سے سر جھکا لیا۔

''دادا جان! میں بہت اکیلا پن محسوس کرتا ہوں۔ میرے دوست میرے ساتھ نہیں بیٹھتے، سب مجھ سے بات کرنے سے کتراتے ہیں۔ سب مجھے وعدہ خلاف کہتے ہیں، کوئی میری بات پر یقین نہیں کرتا۔ میں کسی چیز پر توجہ نہیں دے پاتا۔ سب سمجھتے ہیں کہ میں لاپرواہوں، مگر درحقیقت میں اپنے اندر وہ قوت اور توانائی نہیں پاتا جس سے میں کوئی کام کر سکوں۔'' دادا جی نے خاموشی سے علی کی بات سنی، پھر نرمی سے اسے سمجھانے لگے:

''بیٹا! ان سب مسائل کی صرف ایک وجہ ہے اور وہ ہے اپنے وقت کی قدر نہ کرنا۔ جو لوگ وقت کی قدر نہیں کرتے وقت ان کی قدر نہیں کرتا اور جس کی وقت نہ قدر کرے اسے لوگ بھی غیر اہم سمجھتے ہیں۔'' دادا جی کی بات پر اُس نے ناسمجھی سے ان کی طرف دیکھا۔

''حدیث نبوی ﷺ کا مفہوم ہے کہ دو نعمتوں کے بارے میں اکثر لوگ خسارے میں رہتے ہیں، صحت اور وقت، اس لیے ان کی قدر نہ کرنا، نہ صرف بہت بڑی ناشکری ہے، بل کہ ہماری دنیوی زندگی بھی بہت متاثر ہوتی ہے۔ مثلاً آپ صبح فجر کے وقت بیدار نہیں ہوتے تو آپ اپنی نماز کو نیند کی نذر کر دیتے ہیں، جس کی وجہ سے چہرے کی رونق اور زندگی کی برکتیں کم ہو جاتی ہیں۔ اس کے علاوہ آپ صبح کی تازگی اور تر و تازہ ہوا سے بھی محروم ہو جاتے ہیں، پھر جب آپ وقت پر نہیں اٹھتے تو آپ کو اسکول پہنچنے میں دیر ہو جاتی ہے۔ اکثر آپ دانت صاف نہیں کر پاتے، جس کی وجہ سے نہ صرف معدہ متاثر ہوتا ہے، بل کہ منہ سے آنے والی بدبو کی وجہ سے لوگ بات کرنا پسند نہیں کرتے، پھر جب اچھے طریقے سے یونی فارم نہیں پہنتے تو گندے اور لاپروا لگتے ہیں، جس وجہ سے دوست ساتھ نہیں بیٹھتے۔ جلد بازی میں آپ ناشتا بھی نہیں کرتے، جس کی وجہ سے آپ میں توانائی نہیں ہوتی اور آپ خود کو سُست محسوس کرتے ہیں۔ پیٹ خالی ہونے کی وجہ سے دماغ بھی جلدی تھک جاتا ہے، کیوں کہ ایک صحت مند جسم کا ہی صحت مند دماغ ہوتا ہے۔ آپ اسکول میں اتنے تھک جاتے ہیں کہ گھر پہنچتے ہی کھانا کھا کر سو جاتے ہیں۔ چوں کہ آپ کا دماغ اور جسم، دونوں شدید تھکے ہوئے ہوتے ہیں، اس لیے آپ اکثر عصر کے بعد بھی سوئے رہتے ہیں۔ آپ اپنے دوستوں سے وعدہ تو کرتے ہیں کہ آپ ان کے ساتھ کھیلنے کے لیے میدان میں جاؤ گے، مگر آپ جاتے نہیں ہیں، جس کی وجہ سے وہ آپ کو وعدہ خلاف سمجھتے ہیں، پھر اس سے آپ کی صحت بھی متاثر ہوتی ہے۔''

''مگر دادا جان! سونا بھی تو صحت کے لیے ضروری ہے۔'' ایک چھوٹی سی اُلجھن اس نے دادا جان کے سامنے رکھی۔

''بالکل میرے بچے! نیند بھی بہت ضروری ہے، مگر مناسب وقت کی، بہت زیادہ سونا یا بے وقت سونا بھی آپ کو سُست کر دیتا ہے۔ آپ چست و توانا نہیں رہتے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ رات کے کھانے کے بعد بھی سستی محسوس کرتے ہیں، آپ کوئی کام نہیں کر پاتے، مگر چوں کہ آپ دن میں بہت سو چکے ہوتے ہو تو وقت پر نیند بھی نہیں آتی، پھر رات دیر تک جاگ کر اپنا قیمتی وقت کمپیوٹر کی نذر کر دیتے ہو اور صبح تاخیر سے اٹھتے ہو۔ یہی وجہ ہے کہ انسان صحت سے لے کر کامیابی تک ہر میدان میں ہارنے لگتا ہے۔''

''دادا جان! مجھے کیا کرنا چاہیے؟'' اس کی سمجھ میں بات آ گئی تھی۔

''اپنے وقت کو ترتیب دو۔ یاد رکھو بیٹا! اللہ تعالیٰ قرآن میں فرماتا ہے کہ رات اس نے آرام کے لیے اور راحت کے لیے بنائی ہے۔ رات کو وقت پر سو، تا کہ صبح جلدی اٹھ سکو، خالق اور مخلوق سے جڑ سکو۔ اس کے علاوہ صبح کی تازگی کی وجہ سے آپ پورا دن تازہ رہو گے۔ دوستوں کے ساتھ کھیلنے کا وقت مقرر کرو، کمپیوٹر کا ایک حد تک استعمال کرو۔ مومن کا بہترین نظام الاوقات اس کی پانچ نمازوں سے جڑا ہوا وقت ہے اور یقیناً ایسے وقت میں ہی برکت ہوتی ہے، ایسا وقت ہی ہمارے لیے کافی ہو جاتا ہے۔''

''میں سمجھ گیا دادا جان! میں اپنے قیمتی وقت کو مزید ضائع نہیں کروں گا۔ میں اپنے وقت کو ترتیب دوں گا، تا کہ میری زندگی بہترین انداز سے گزر سکے۔'' علی پُر جوش انداز میں بولا۔

''جیتے رہو بیٹا!'' دادا جان نے شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

''شکریہ دادا جان! اللہ تعالیٰ آپ کا سایہ ہمارے سروں پر سلامت رکھے، آمین!'' علی خوشی سے دادا جان کے گلے لگ گیا۔

# بکروں والا گھر

قرۃ العین خرم ہاشمی۔ لاہور

"ارحم بھائی! جلدی سے باہر آئیں۔"

صحن میں کھڑی آٹھ سالہ رملہ نے خوشی سے شور مچاتے ہوئے بڑے بھائی کو پکارا۔ کمرے میں بیٹھے گیارہ سالہ ارحم نے منہ بنا کر کھڑکی سے باہر دیکھا۔ وہ رملہ کی خوشی کی وجہ جانتا تھا، اس لیے سر جھٹک کر موبائل پر گیم کھیلنے لگا۔ یہ پرانا اور سستا سا موبائل، صرف دونوں بہن بھائی کے کبھی کبھار گیم کھیلنے کے لیے استعمال ہوتا تھا۔ ارحم کو گیم کھیلنے کا بہت شوق تھا، جب کہ رملہ کا زیادہ وقت اپنے گھر میں موجود پالتو جانوروں کی دیکھ بھال میں گزرتا تھا۔

"بھائی! آپ باہر کیوں نہیں آرہے؟ ہمارے گھر نئے مہمان آئے ہیں۔" رملہ نے خوشی سے کہا تو ارحم نے سر اُٹھا کر صحن میں کھڑے کم عمر بکروں کو دیکھا۔

"پھر کسی نے سارا سال پالنے اور رکھوالی کرنے کے لیے بکرے بھیج دیے ہوں گے۔" ارحم نے منہ بنا کر کہا۔

"ہاں، شہر سے بڑے صاحب آئے تھے۔ وہ چار بکرے لائے ہیں۔" رملہ نے خوشی سے کہا۔

"ہونہہ! پتا نہیں اماں اور ابا کیوں لوگوں کے جانوروں کی ذمے داری قبول کر لیتے ہیں۔ محلے میں سب لڑکے میرا مذاق اڑاتے ہیں۔ ہمارے گھر کو بکروں والا گھر کہتے ہیں۔" ارحم نے ناگواری سے کہا۔

"پتا نہیں آپ کے دوست کس طرح کے ہیں۔ میری تو سب سہیلیاں خوش ہوتی ہیں۔" رملہ نے معصومیت سے کہا اور پھر واپس بھاگ گئی۔ ارحم بڑبڑاتا ہوا اُٹھا اور صحن میں آیا۔ جہاں اس کی اماں اور ابا کے ساتھ رملہ بھی گھر میں آئے نئے مہمانوں کی خاطر مدارت کر رہی تھی۔

"ارحم کی ماں! بکروں کا خاص خیال رکھنا، گھر سے باہر نہ نکل جائیں۔ بڑے صاحب نے ان کی رکھوالی کے بہت پیسے دیے ہیں اور اچھی رکھوالی کرنے پر مزید پیسے دینے کا وعدہ کیا ہے۔" فیض دین نے مسکراتے ہوئے کہا تو زبیدہ بیگم نے سر ہلا دیا۔

"ابا! آپ کوئی اور کام کیوں نہیں کرتے؟ لوگوں کے جانور پال کر انھیں واپس کرنے سے بہتر ہے کہ کوئی اچھا کام کر لیں۔ میرے سب دوست میرا مذاق اڑاتے ہیں۔" ارحم نے غصے سے کہا۔

"تمھارے والد کی ایک ٹانگ خراب ہے، جس کی وجہ سے وہ لاٹھی کے سہارے چلتے ہیں۔ اس بیماری اور تکلیف میں یہ کام آسانی سے کر لیتے ہیں۔ کسی سے مانگنے سے تو بہتر ہے کہ محنت سے روزی

کما کر اپنے گھر والوں کا پیٹ بھر رہے ہیں۔'' زبیدہ بیگم نے سنجیدگی سے کہا۔
''اماں! آپ سارا سال مرغیاں پال کر اُن کے انڈے بیچتی ہیں اور ابا بڑی عید سے پہلے، امیر لوگوں کے جانور پال پوس کر جوان کر کے واپس کر دیتے ہیں۔ بھلا یہ بھی کوئی کرنے والے کام ہیں۔'' ارحم پیر پٹختا واپس چلا گیا۔

''اس کا تو دماغ خراب ہوگیا ہے۔ محنت کے کام میں کیسی شرم!'' زبیدہ بیگم بڑبڑائیں۔ فیض دین نے کوئی جواب نہیں دیا۔ رملہ، والد کے ساتھ مل کر بکروں کو چارہ کھلانے لگی۔

......☆......

کچھ سال پہلے ایک حادثے میں فیض دین کی ایک ٹانگ زخمی ہوگئی تھی، جو مسلسل علاج کے باوجود ٹھیک نہ ہوئی۔ فیض دین کی بیماری کی وجہ سے اسے کوئی مزدوری نہیں ملی۔ زبیدہ بیگم نے مشکل حالات دیکھے تو اپنے گھر میں مرغیاں پال لیں۔ اس چھوٹے سے قصبے کے ساتھ ہی بڑا شہر تھا، جہاں سے لوگ خالص دودھ، دیسی مرغیاں اور انڈے وغیرہ لینے یہاں آتے رہتے تھے۔ فیض دین کو پتا چلا کہ بہت سے شہری لوگ بڑی عید کی آمد سے کئی مہینے پہلے بکری کے بچے لے کر پالنے کے لیے گاؤں یا دوسری جگہ چھوڑ آتے ہیں۔

فیض دین کو یہ کام آسان لگا۔ کچھ اسے جانوروں سے محبت بھی بہت تھی۔ اس نے ایک امیر آدمی سے بات کر کے پہلے ایک بکرے کی ذمے داری لی، جو اُس نے عمدگی سے نبھائی۔ اب فیض دین سارا سال ہی مختلف لوگوں کے بکروں کو پالتا اور اُن کا خیال رکھتا، اس لیے فیض دین کا گھر بکروں والا مشہور ہوگیا۔ فیض دین اور زبیدہ بیگم بہت محبت اور خلوص سے ان بے زبان جانوروں کی خدمت کرتے، ان کا خیال رکھتے، جن کی وجہ سے ان کے روزگار کا سلسلہ بھی چل رہا تھا۔

رملہ اپنے والدین کا ساتھ خوش دلی سے دیتی۔ پہلے پہل تو ارحم بھی معصوم بکروں کو دیکھ کر خوش ہوتا، ان کے ساتھ کھیلتا، وقت گزارتا، ان کا خیال رکھنے میں باپ کی مدد کرواتا، مگر جب کچھ عرصے بعد وہ بکرا اپنے مالک کے ساتھ چلا جاتا تو ارحم کئی دن اداس رہتا، جب تک کہ اس کی جگہ دوسرا بکرا نہ آجاتا۔ ارحم کا یہ شوق اس وقت کوفت میں بدلنے لگا جب وہ محلے کے دوسرے لڑکوں کو مذاق اڑاتے دیکھتا۔ آہستہ آہستہ ارحم کا یہ شوق، چڑ میں بدل گیا۔ اب گھر میں کوئی بھی بکرا آتا ارحم کا منہ اس وقت تک بنا رہتا جب تک وہ بکرا واپس نہ چلا جاتا۔ اس بار بھی ایسا ہی ہوا، مگر جیسے ہی عید کا مہینا آیا ارحم کا دل مطمئن ہوگیا کہ اب بس کچھ دن ہی یہ بکرے رہیں گے۔

ایک دن صبح سویرے بکروں کا مالک آیا۔ وہ بکرے ساتھ لے جانا چاہتا تھا۔ تین بکرے صحت منداور چاق و چوبند تھے، مگر ایک بکرا کمزور اور بیمار لگ رہا تھا، بکرے کو سُست دیکھ کر مالک پریشان ہوگیا۔

''صاحب جی! عید میں ابھی کافی دن باقی ہیں۔ میں بکرے کو قریبی ڈاکٹر کو دکھادوں گا۔ آپ فکر مت کریں۔''

فیض دین نے جلدی سے کہا تو مالک کو یہ تجویز پسند آئی۔ وہ باقی تین بکرے لے کر چلا گیا اور ایک بکرا اُن کے پاس رہ گیا۔ فیض دین نے ڈاکٹر کو بلوا کر اُس کا چیک اپ کروایا اور پھر ڈاکٹر کی بتائی ہوئی ہدایات پر پوری طرح عمل کرتے ہوئے بکرے کا خیال رکھنے لگا۔

ایک دن صبح سویرے فیض دین کو بکرے کے مالک کا فون آیا تو اُس کی باتیں سن کر فیض دین کا چہرہ خوشی سے کھل اٹھا۔ فون بند کر کے وہ خوشی سے رملہ کے پاس آیا جو بہت پیار سے بکرے کو چارہ کھلا رہی تھی۔

''رملہ! تمھیں بکرے، بہت پسند ہیں نا! ہوسکتا ہے کہ یہ بکرا ہمارے پاس ہی رہ جائے۔'' فیض دین نے کہا تو زبیدہ بیگم اور ارحم نے چونک کر اُس کی طرف دیکھا۔

''مگر اس کا مالک تو......!'' زبیدہ بیگم نے حیرانی سے کچھ کہنا چاہا۔

''ان کا فون آیا تھا کہ بیمار بکرے کو لے جانے کے لیے کوئی نہیں مان رہا تو شاید وہ یہ بکرا ہمیں دے دیں۔'' فیض دین نے جلدی سے کہا تو رملہ خوشی سے بکرے سے لپٹ گئی۔

''اف ابا! مجھے یہ بکرا نہیں چاہیے۔ آپ اسے واپس بھیج دیں، ورنہ میں اسے کہیں چھوڑ آؤں گا۔'' ارحم نے غصے سے کہا اور اندر چلا گیا۔

''ارحم کو میں سمجھا دوں گی۔'' زبیدہ بیگم نے نرمی سے کہا تو فیض دین نے سر ہلا دیا۔

کچھ دن ایسے ہی گزر گئے۔ بکرا عید قریب تھی۔ ارحم سے بکرے کی ''میں، میں'' برداشت نہیں ہوتی تھی۔ ایک رات وہ

اٹھااور خاموشی سے باہر چلا گیا۔ کچھ دیر بعد آیا اور مطمئن ہو کر سو گیا۔ اگلی صبح پورے گھر میں بکرے کی گم شدگی کا شور تھا۔ فیض دین اور زبیدہ بیگم پورے محلے میں بکرا ڈھونڈ کر آئے، جب کہ رملہ مسلسل رو رہی تھی۔ ارحم نے اسے تسلی دینا چاہی تو رملہ نے ناراضی سے اسے دیکھا۔

''میں جانتی ہوں کہ آپ نے رات کو بکرے کی رسی کھولی تھی۔ میں نے آپ کو دیکھ لیا تھا۔''

رملہ نے منہ پھلا کر کہا۔ ارحم ہکا بکا رہ گیا اور سامنے سے آتے فیض دین اور زبیدہ بیگم بھی۔ ارحم، ماں باپ کو دیکھ کر گھبرا گیا۔ زبیدہ بیگم اسے ڈانٹنے لگیں، مگر فیض دین نے کچھ نہیں کہا اور خاموشی سے کرسی پر بیٹھ گیا۔

''کچھ دیر میں بکرے کا مالک اپنا بکرا لینے آ رہا ہے۔ میں اسے کیا جواب دوں گا؟'' فیض دین نے فکرمندی سے کہا تو اَرحم نے چونک کر باپ کی طرف دیکھا۔

''مگر وہ تو کہہ رہے تھے کہ.....'' ارحم نے جلدی سے کہا۔

''انھوں نے ڈاکٹر کو فون کر کے سب تفصیل پوچھ لی ہے۔ بکرا اب ٹھیک ہے، اسی لیے وہ آج اسے لینے آ رہے ہیں۔'' فیض دین نے اداسی سے کہا۔

''اب کیا ہوگا؟ بکرا تو گیا ہی، ساتھ ہی ہماری کئی مہینوں کی اجرت بھی چلی جائے گی اور اَگلی بار کوئی ہمارا اعتبار کر کے اپنا جانور یہاں چھوڑ کر نہیں جائے گا۔'' زبیدہ بیگم نے افسردہ لہجے کہا۔ فیض دین نے گہری سانس لی۔

''ارحم تو خوش ہو جائے گا، پھر محلے کے ان لڑکوں سے جا کر مدد مانگ کر لائے گا جو اِس کا مذاق اڑاتے تھے۔ ارحم بیٹا! مذاق اڑانے والے، راستہ روکنے والے لوگ بہت ہوتے ہیں، مگر کوئی بھی ساری زندگی کسی کو بٹھا کر عزت کی روٹی نہیں کھلاتا۔ عزت کی روٹی انسان ہمیشہ اپنی محنت اور مشقت سے کما کر کھاتا ہے۔ محنت کرنے والا چاہے کتنا ہی کمزور اور چھوٹا کیوں نہ ہو، اسے کبھی کم تر نہیں سمجھنا چاہیے۔''

فیض دین نے رندھے ہوئے لہجے میں کہا تو اَرحم نے شرمندگی سے سر جھکا لیا۔ اسے یاد تھا کہ ان کے مشکل وقت میں کبھی کسی نے ان کی مدد نہیں کی تھی۔ زبیدہ بیگم کی ہمت اور سمجھ داری نے اس گھر کی ڈوبتی کشتی کو سہارا دیا تھا۔ بیمار اور مایوس فیض دین کو رزق حلال کمانے کی نئی راہ دکھائی تھی۔

''مجھ سے غلطی ہو گئی ہے۔ مجھے معاف کر دیں۔'' ارحم نے روتے ہوئے کہا۔ اسی وقت کسی گاڑی کا ہارن سنائی دیا۔ رملہ نے بھاگ کر دروازے سے دیکھا۔

''ابا! بڑے صاحب تو آ گئے۔ اب کیا ہوگا؟'' رملہ نے خوف زدہ لہجے میں سوال کیا۔ فیض دین نے سر اُٹھا کر اُوپر دیکھا اور گہری سانس لے کر باہر چلا گیا۔ کھلے دروازے سے بکرے کا مالک اور ڈاکٹر، دونوں مسکراتے ہوئے داخل ہو رہے تھے۔

''فیض دین بھائی! یہ آپ کے بقیہ پیسے اور یہ آپ کا انعام۔ جس طرح آپ نے میرے بکروں کی رکھوالی کی ہے اس کی وجہ سے میں ہر سال بکرے لے کر یہاں ہی آیا کروں گا۔'' بکرے کے مالک نے خوش دلی سے کہا۔

''مگر آپ کا بکرا تو گم ہو گیا ہے اور......'' فیض دین نے شرمندگی سے کہا اور سر جھکا لیا۔

''فیض دین بھائی! کل رات کو دیر سے گھر واپس جاتے ہوئے میں نے بکرے کو گلی میں بھٹکتے دیکھ کر پہچان لیا کہ یہ آپ کا بکرا ہے۔ اس کا چیک اَپ کرنے اپنے کلینک لے گیا کہ صبح ہوتے ہی واپس دے آؤں گا۔ صبح ہوئی تو اتفاق سے یہ وہاں چلے آئے۔ میں نے بکرے کی مکمل صحت یابی اور آپ کی محنت کے بارے میں بتایا تو یہ بہت متاثر ہوئے۔ اسی وجہ سے خاص آپ کا شکریہ ادا کرنے آئے ہیں۔''

ڈاکٹر نے مسکرا کر کہا تو فیض دین اور زبیدہ بیگم کی آنکھیں نم ہو گئیں، جب کہ رملہ خوشی سے بھاگتی ہوئی گاڑی کی طرف گئی، جس کی پچھلی سیٹ پر بکرا بہت آرام سے بیٹھا چارہ کھا رہا تھا۔ رملہ کو دیکھتے ہی خوشی سے سر ہلانے لگا۔ رملہ گاڑی کے اندر بیٹھ کر اُسے پیار کرنے لگی۔ اسی وقت دوسری طرف کا دروازہ کھول کر اَرحم آگے ہوا اور بکرے کی کمر پر پیار سے ہاتھ پھیرنے لگا۔

رملہ اور بکرے نے ایک ساتھ پیچھے مڑ کر حیرانی سے ارحم کو دیکھا تو وہ کھسیانا ہو گیا۔ رملہ کھلکھلا کر ہنس پڑی اور بکرا، رملہ کو خوش دیکھ کر ''میں، میں'' کرنے لگا۔ سب ہنس پڑے۔

بکرے اور اُس کے مالک کے جانے کے بعد اَرحم نے اپنے والدین سے معافی مانگی اور زندگی میں دوبارہ اللہ تعالیٰ کی بے زبان مخلوق سے بیر رکھنے سے توبہ کر لی۔

جھوٹوں کے جھوٹے ۲۹

# ۸۔ اسحاق اخرس

حافظ محمد دانش عارفین حیرت۔ لاہور

اسحاق کچھ دیر سانس لینے کے لیے رُکا۔ سب لوگ خاموش بیٹھے اس کی بکواس سن رہے تھے۔ یہ بات سنتے ہی ان کے دل میں اسحاق اخرس کے لیے عظمت کے جذبات پیدا ہونے لگے۔

اسحاق نے سلسلہ کلام دوبارہ جوڑا:

''لیکن میں نے ایسی خالی خولی نبوت قبول کرنے سے انکار کر دیا۔''

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ انبیا علیہم السلام کبھی بھی ضد کر کے معجزہ نہیں مانگتے، بل کہ وہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں اور اپنی پریشانی اللہ کے سامنے رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس پریشانی کا حل انھیں معجزے کی شکل میں دے دیتے ہیں، نیز یہ بات بھی اہم ہے کہ انبیائے کرام علیہم السلام فرشتوں سے نہیں، بل کہ اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتے ہیں، جب کہ اسحاق اخرس اپنی جھوٹی کہانی میں فرشتوں سے ہی تمام گفتگو کر رہا تھا اور اُنھی سے معجزے مانگ رہا تھا۔ یہی نہیں، بل کہ معجزہ نہ ملنے پر نبوت قبول کرنے سے بھی انکار کر رہا تھا۔

اسحاق اخرس کا انکار سن کر اُس کے من گھڑت فرشتوں نے اس سے کہا:

''اچھا ٹھیک ہے، ہم آپ کو معجزات بھی دے دیتے ہیں۔ جتنی بھی آسمانی کتابیں ہیں ان سب کا علم آپ کو دیا جاتا ہے۔ یہی نہیں، بل کہ کئی قسم کے پرانے رسم الخط بھی آپ کو دیے جاتے ہیں۔''

اسحاق نے اپنی جھوٹی کہانی میں فرضی فرشتوں سے ملنے والے جن علوم کا بطورِ معجزات ذکر کیا، حقیقت میں ان سب علوم کو وہ اصفہان آنے سے پہلے ہی حاصل کر چکا تھا، اس لیے اب ان علوم کو بطورِ نقلی معجزے کے پیش کرنا اس کے لیے کچھ مشکل نہ تھا۔

یہ سب کچھ کہنے کے بعد من گھڑت فرشتوں نے اسحاق سے فرمائش کی: ''ہمیں قرآن پڑھ کر سنائیں۔''

اسحاق نے انھیں پورا قرآن سنا دیا۔

فرضی فرشتوں نے مزید فرمائش کی:

''اب ہمیں دوسرے آسمانی صحیفے پڑھ کر سنائیں۔''

اسحاق نے انھیں دیگر آسمانی کتب بھی پڑھ کر سنا دیں۔ فرضی فرشتوں نے قرآن اور دیگر آسمانی کتابوں کی قراءت سن کر کہا:

''اب تیار ہو جایئے اور لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے غضب سے ڈرایئے۔''

اس کے بعد وہ فرضی فرشتے چلے گئے، جب کہ حقیقت حال یہ تھی کہ دس سال بعد اسحاق نے ان تمام علوم کو ایک بار دُہرا کر اپنے ذہن میں تازہ کیا تھا۔ بالکل ویسے ہی جیسے ایک طالب علم امتحان میں شریک ہونے سے پہلے تمام سوالات اور اُن کے جوابات کو دُہرا کر اپنے ذہن میں تازہ کرتا ہے، تا کہ امتحان میں مشکل پیش نہ آئے۔

اسحاق نے اپنی کہانی سے فرضی فرشتوں کو بھیجنے کے بعد بھی اپنی جھوٹی کہانی جاری رکھی اور کہنے لگا:

''فرشتوں کے جاتے ہی میں اللہ کی عبادت میں مشغول ہو گیا، میں نے نماز کی نیت باندھ لی۔''

اسحاق ایک لمحے کے لیے خاموش ہوا اور ایک گہرا سانس لے کر بولا:

’’کل رات جو نور کی بارش میرے دل پر ہوئی ہے میری زبان اسے بیان کرنے سے قاصر ہے۔ ہوسکتا ہے کہ اس نور کے اثرات میرے چہرے پر بھی نمایاں ہو رہے ہوں۔‘‘

اسحاق کا اشارہ اس چمک کی طرف تھا جو چمکنے والا تیل لگانے کی وجہ سے اس کے چہرے پر تھی۔

اسحاق نے اسی پر بس نہیں کی، بل کہ کھلم کھلا نبوت کا جھوٹا دعویٰ کر دیا:

’’یہ تو تھی میری کل رات کی کہانی۔ اب میں تم سب لوگوں کو تنبیہ کرتا ہوں، جو شخص اللہ پر، محمد ﷺ پر اور مجھ پر ایمان لایا اس نے فلاح اور نجات حاصل کر لی، لیکن جس نے میری نبوت کا انکار کیا اس نے حضرت محمد ﷺ کی نبوت کا انکار کر دیا اور انکار کرنے والا ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جہنم میں جلے گا۔‘‘

وہاں موجود لوگوں میں سے کچھ تو پہلے ہی اس کی بات سے متاثر ہو گئے تھے، اس کہانی کا آخری حصہ سن کر اُنھوں نے اپنا ایمان گنوا کر اسحاق اخرس کو نبی تسلیم کر لیا اور اُس پر دیوانہ وار چمٹنے لگے، جب کہ صاحب ایمان لوگ اس کی بات سن کر وہاں سے چلے آئے۔

......☆......

اسحاق اخرس کی پیروی کرنے والوں میں صدر مدرس اور قاضی صاحب بھی شامل تھے، جب کہ حاکم شہر نے اسحاق اخرس کی پیروی نہیں کی تھی۔

صدر مدرس نے حاکم شہر سے کہا:

’’آپ بھی ان کی نبوت کی پیروی کریں۔‘‘

حاکم شہر ایک کش مکش کا شکار تھا۔ اگر اُس کی پیروی کرتا تو ایمان سے جاتا اور دنیا و آخرت برباد ہو جاتی، جیسے کہ صدر مدرس اور قاضی صاحب کی آخرت اسحاق اخرس پر ایمان لانے کی وجہ سے برباد ہو گئی تھی اور اگر اسحاق پر ایمان نہ لاتا تو بھی اسے خطرہ تھا۔ اس نے کہا:

’’میں حاکم شہر ہوں۔ اگر میں ان پر ایمان لے آیا تو وزیر مجھے حاکمیت سے برخاست کر دے گا، اس لیے میں وزیر صاحب کے آنے کا انتظار کروں گا۔‘‘

حاکم کی بات معقول تھی، اس لیے اسے کسی نے زبردستی اسحاق پر ایمان لانے کے لیے نہیں کہا۔

حاکم شہر وہاں سے چلا آیا اور جاہل لوگ اسحاق اخرس پر ایمان لا کر اپنا ایمان برباد کرتے رہے۔

......☆......

’’وزیر مملکت تشریف لائے ہوئے ہیں۔ آپ کا انتظار فرما رہے ہیں۔‘‘

حاکم جیسے ہی اپنے محل میں پہنچا، اس کے خدمت گاروں نے اسے اطلاع دی۔

’’کہاں ہیں وہ؟‘‘

حاکم شہر نے سوال کیا اور تیزی سے اندر کی طرف بڑھا۔ سلام دعا کے بعد اُس نے وزیر مملکت سے پوچھا:

’’کیا آپ جانتے ہیں کہ شہر میں ایک عجیب و غریب واقعہ پیش آیا ہے۔‘‘

وزیر مملکت نے جواب دیا:

’’ہاں میں نے سنا ہے کہ کسی شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے۔‘‘

حاکم شہر نے وزیر مملکت کا جواب سن کر حیرت زدہ لہجے میں پوچھا:

’’آپ وہاں گئے کیوں نہیں؟ میں بھی وہیں سے آ رہا ہوں۔‘‘

وزیر مملکت نے جواب دیا:

’’میں کوئی معمولی آدمی نہیں ہوں جو کہیں بھی کسی بھی واقعے کے پیش آنے پر اپنے سب کام چھوڑ چھاڑ کر وہاں پہنچ جاؤں۔ اس کے علاوہ اس خبر کی تصدیق کرنا بھی ضروری ہے کہ یہ صرف ایک افواہ تو نہیں ہے۔‘‘

حاکم شہر نے جواب دیا:

’’نہیں محترم! یہ افواہ نہیں ہے۔‘‘

وزیر مملکت نے جواب دیا:

’’اچھا تو پھر مجھے بتاؤ کہ کیا واقعہ پیش آیا ہے؟ کیا تم نے اس بارے میں اچھی طرح چھان بین کر لی ہے۔ وہ کون ہے؟ کیا کرتا ہے؟ اور کہاں سے آیا ہے؟ آخر تم اس شہر کے حاکم ہو۔‘‘

حاکم شہر نے وزیر مملکت کو پوری بات تفصیل سے بتائی کہ کس طرح رات کو دو آدمی آئے اور اُسے بتایا کہ ایک گونگا بولنے لگ گیا ہے۔ اس پر وہ صبح نماز کے وقت مدرسے گیا اور نماز کے بعد اسحاق اخرس نے اسے اور آنے والوں کو کیا کہانی سنائی، یہاں تک کہ صدر مدرس نے اسے

ایمان لانے کا کہا تو وہ بہانہ بنا کر وہاں سے آ گیا۔ یہ سب کچھ بتا کر حاکم شہر نے مزید کہا:

’’جناب! میں کس طرح اس کی نبوت پر ایمان لاسکتا ہوں، جب کہ میں جانتا ہوں کہ احادیث مبارکہ میں یہ بات کسی بھی طرح ذکر نہیں کی گئی ہے کہ نبی کریم ﷺ کے بعد کوئی ظلی یا بروز نبی آئے گا۔ یہ تو نہایت ہی ہوشیار اور چالاک شخص معلوم ہوتا ہے۔‘‘

وزیر مملکت نے حاکم شہر کی پوری بات سن کر سوال کیا:

’’کیا تمھیں معلوم ہے کہ یہ شخص اصفہان میں کب آیا؟ پہلے یہ کہاں رہتا تھا؟ اسے اس شہر میں رہتے ہوئے کتنا عرصہ گزر چکا ہے؟‘‘

حاکم شہر نے وزیر کو جواب دیا:

’’بتایا جاتا ہے کہ یہ شخص اصفہان میں دس سال پہلے افریقہ کی طرف سے آیا اور واپس نہیں گیا۔ گونگا بہرہ تھا، اس لیے کسی کو نہیں معلوم کہ کہاں سے آیا؟ کیا کرتا تھا اور یہاں کیوں آیا؟‘‘

وزیر مملکت نے سوال کیا:

’’کیا تمھاری یہ ذمے داری نہیں تھی کہ معلوم کرتے کون آدمی ہے؟ کہاں سے آیا ہے؟ اس کے کیا عقائد ہیں اور یہاں کس مقصد سے آیا ہے؟ کہیں کوئی جاسوس تو نہیں ہے؟‘‘

حاکم شہر کے پاس اس سوال کا کوئی جواب نہیں تھا۔ اس نے کہا:

’’یہ مجھ سے غلطی ہوئی ہے۔ میں اپنی غلطی تسلیم کرتا ہوں، مگر اَب کیا کیا جائے؟‘‘

وزیر مملکت نے کچھ سوچتے ہوئے کہا:

’’میں اسے یہاں بلوا کر بات کرتا ہوں۔‘‘

پھر وزیر مملکت نے اپنے سپاہیوں کو حکم دیا:

’’فوراً جاؤ اور جا کر اِسحاق اخرس کو لے کر آؤ۔‘‘

سپاہی فوراً روانہ ہوئے اور مدرسے میں پہنچ کر اِسحاق اخرس سے کہا:

’’وزیر مملکت نے آپ کو فوراً اپنے پاس بلوایا ہے۔‘‘

اسحاق اخرس ابھی خاموش ہی تھا اور صدر مدرس تو اپنے ہوش وحواس میں ہی نہیں تھے۔ سارا علم بھول بھال گئے تھے کہ نبی ﷺ پر نبوت ختم ہو چکی ہے اور اَب جو بھی نبوت کا دعویٰ کرے گا وہ جھوٹا اور کذاب ہوگا۔ صدر مدرس جلال میں آ کر کہنے لگے:

’’گستاخ وزیر کی یہ ہمت کہ ایک نبی کو اپنے پاس بلوائے؟‘‘

اسحاق اخرس ان کی اس بات پر خوش ہوا اور اُس نے سپاہیوں سے کہا:

’’تم لوگ چلو، میں تھوڑی دیر میں آتا ہوں۔‘‘

سپاہیوں کا سربراہ کہنے لگا:

’’ہم آپ کو اپنے ساتھ ہی لے کر جائیں گے۔‘‘

سپاہی کی بات سن کر صدر مدرس ایک بار پھر جلال میں آ گئے اور کہنے لگے: ’’نبی نے کہہ دیا نا کہ وہ آ جائیں گے تو وہ آ جائیں گے، تم زور زبردستی مت کرو اور نبی کی عزت کرنا سیکھو۔‘‘

سپاہی کہنے لگا:

’’آپ کیوں ان کی اتنی طرف داری کر رہے ہیں۔ انھیں ہمارے ساتھ چلنے میں کیا مسئلہ ہے؟‘‘

صدر مدرس نے کہا:

’’اگر وزیر کو ہمارے نبی سے ملنا ہے تو وہ یہاں آ جائیں۔ اب جاؤ یہاں سے، ورنہ اچھا نہیں ہوگا۔‘‘

صدر مدرس کی بات سن کر وہاں موجود لوگ تیار ہو گئے کہ اب اگر سپاہیوں نے مزید کچھ کہا تو ہم ان پر حملہ کر دیں گے۔ سپاہیوں نے بھی موقع کی نزاکت کو سمجھا اور وہاں سے واپس آ گئے۔

......(جاری ہے)......

## بقیہ: شیرو کا شاہو

’’شاہو اپنی غلطی پر بہت شرمندہ ہے۔ امید ہے غلطی معاف کر کے شیرو بڑے پن کا مظاہرہ کرے گا۔‘‘

’’ٹھیک ہے، اگر جھوٹ نہ بولنے اور بڑوں کی بات ماننے کا وعدہ کرتے ہو تو معاف کیا جا سکتا ہے۔‘‘ شیرو نے بارعب انداز میں کہا۔

’’پکا والا وعدہ شیرو! میرے باپ کی بھی توبہ جو آئندہ غلط حرکتیں کیں۔‘‘ شاہو بے ساختہ بولا اور باپ کے گلے لگ گیا۔

شیرو مسکرانے لگا۔ اسے اس بات کی بھی خوشی تھی کہ شاہو نے مشکل وقت میں بہادری اور عقل مندی سے کام لیا تھا۔

محاورہ کہانی

# بخیے ادھیڑنا

بیگم ناجیہ شعیب احمد۔ کراچی

نام اللہ جانے کیا رکھا تھا اس کے پُرکھوں نے، پَر اپنے افعال و اَقوال کے سبب ہمارے آبائی گاؤں میں ماسی پھپے پھپے کے نام سے مشہور تھی۔

ماسی جس دن ہمارے گھر میں قدم رکھتی تھی آوے کا آوا ہی بگڑ جاتا تھا۔ اچھا خاصا پُرسکون ماحول، مچھلی بازار کا منظر پیش کرنے لگتا تھا۔ والدہ جیسی نفیس اور مہذب خاتون کو ماسی کا آنا بہت گراں گزرتا تھا۔ اللہ بخشے اماں جان کو، ان کی خداترسی کے عوض یہ ہمارے گلے پڑ گئی تھی۔ جب جب اس کی زبان میں کھجلی ہوتی تھی یہ ہمارے گھر آجاتی ہے اور ایسے ایسے شگوفے چھوڑتی تھی کہ الامان الحفیظ۔

مگر ایک مرتبہ تو حد ہی ہوگئی تھی۔

میں حسبِ معمول اماں جان کے ساتھ گھر کے کاموں میں مصروف تھی۔ دروازہ بجا اور ماسی پھپے پھپے کو سامنے دیکھ کر میری تو جان جل گئی۔ دادی اماں، ماسی کی طبیعت و عادات سے بخوبی واقف تھیں، اس لیے ماسی ان کے سامنے اپنے آپے میں رہتی۔ ادھر دادی اماں اللہ کو پیاری ہوئیں اُدھر ماسی پھپے پھپے تھیلے سے باہر نکل آئی۔

آج ماسی پھپے پھپے ہماری بہشتی دادی اماں جان کے سنہرے دور کی باتیں خوب چٹخارے لے لے کر سنا رہی تھی۔

ہم تو لحاظ و مروت میں کہ بڑی بوڑھی ہیں، کچھ بولے نہیں، مگر جنید کو محسوس ہوگیا کہ دادی اماں کے لیے دعائے مغفرت کرنے کی بجائے ماسی پھپے پھپے مرحومہ کے عیب گنوا رہی ہیں۔

ماسی کا پسندیدہ مشغلہ تھا آگ لگانا، سو وہ لگادی۔ اور جب ان کی لگائی چنگاری بھڑک اٹھی تو وہ پنجے جھاڑ کر بے چارے کانگڑی سے جنید کے پیچھے پڑگئیں کہ ٹانگ برابر چھوکرا ہے اور مجھ بڑھیا سے اڑی بازی کر رہا ہے۔

اماں جان کو بالآخر مداخلت کرنی پڑی:

”ماسی! آپ بھی تو سوچ سمجھ کر بولا کریں۔ بچے سمجھ دار ہوگئے ہیں۔ کسی کی بھی غلط بات برداشت نہیں کرتے۔“

”یہ لیں ماسی! شربت۔“ اتنے میں جویریہ نے شربت سے بھرا جگ لاکر تخت پر رکھا اور گلاس بھر کر ماسی کو تھمایا۔

ماسی بڑی نخوت سے تیسرا گلاس غڑپ کرنے کے بعد کفن پھاڑ کر بولی:

”اے ہے! یہ کیسا بدذائقہ شربت تھا! نرا اُبلا پانی، ضرور بددِلی سے بنایا ہوگا۔ ہائے سکینہ! میرے دکھ درد کی ساتھی، خاندان بھر میں بس اک وہی بھلی مانس مجھ دکھیاری کے سر پر ہاتھ رکھ دیا کرتی تھی۔ بس ذرا سی زبان کی تیز تھی وہ......“

اماں جان بولیں:

”ماسی! آپ ذرا اپنی زبان کو لگام دیں۔ میرے پاس بیٹھ کر مسلسل میری مرحومہ ساس کی عزت کے بخیے ادھیڑ رہی ہیں۔“

ماسی پھپے پھپے کہنے لگی: ”بھئی میری سہیلی تھیں وہ، میں جو چاہے کہوں۔“

اماں جان بولیں: ”آپ کی سہیلی میرے بچوں کی ہر دل عزیز دادی اماں تھیں۔ اگر آپ کو مرحومہ کے متعلق کچھ راز کی باتیں معلوم ہیں تو بھی آپ کو خاموش رہنا چاہیے۔ یوں کسی کی عزت کے بخیے ادھیڑنا اچھی بات نہیں ہے۔“

ماسی پھپے پھپے پھٹ پڑی: ”آئے ہائے، میں نے کس کی قمیص ادھیڑ دی؟“

بقیہ صفحہ نمبر 44 پر

# ہلدی

سعد علی چھیپا۔ کراچی

تمام قارئین کرام سے مؤدبانہ عرض ہے کہ کسی بھی پیچیز کے فوائد پڑھ کر اسے زیادہ نہ کھائیں، بل کہ اس کا استعمال اعتدال سے کریں اور اگر آپ کو کوئی خاص بیماری ہے تو اپنے ڈاکٹر سے مشورہ کر کے کوئی بھی غذا استعمال کریں۔

قدرتی جڑی بوٹی کی جڑوں سے حاصل کیا جانے والا خوب صورت رنگ کا قدرتی مسالا ’’ہلدی‘‘ ایک طاقت وَر اینٹی سیپٹک اور اینٹی انفلامیٹری جز و ہے، جس کے استعمال سے انسانی صحت اور خوب صورتی کے بے شمار فوائد حاصل ہوتے ہیں۔

ہلدی ایک اینٹی کولیسٹرول مسالا ہے جو کہ انسانی مجموعی صحت اور دل کے لیے مفید مانا جاتا ہے۔ ہلدی میں موجود کرکمن نامی مرکب انتہائی طاقت وَر ہوتا ہے جو قوت مدافعت کے نظام کو مضبوط بناتا ہے۔

ماہرین کے مطابق ہلدی میں پوٹاشیم، کیلشیم، فاسفورس، سوڈیم، آئرن اور وٹامن اے۔ بی۔ سی۔ بڑی مقدار میں پائے جاتے ہیں۔

ہلدی کے چند دیگر فوائد مندرجہ ذیل ہیں:

☆ ہلدی گھٹنے کے درد کے لیے بہت مفید ہے۔

☆ ہلدی آنکھوں کی بینائی کے لیے بہترین ہے۔

☆ ہلدی جسم کے زہریلے کیمیکلز سے جسم کو پاک کرتی ہے۔

☆ ہلدی کا استعمال کینسر جیسے امراض سے بچا سکتا ہے۔

☆ ہلدی کا پابندی سے استعمال کولیسٹرول کو کم کرتا ہے۔

☆ ہلدی اور لیموں کا جلد پر استعمال جلد کو صاف ستھرا رکھتا ہے۔

☆ ہلدی بلغم کو ختم کرتی ہے اور جگر اور سینے کو صاف کرتی ہے۔

☆ ہلدی بلڈ شوگر لیول کم کرنے اور کنٹرول کرنے میں مدد دیتی ہے۔

☆ ہلدی بڑھتے ہوئے وزن کو کم کرنے میں بہت اہم کردار ادا کرتی ہے۔

☆ ہلدی نزلہ زکام کو بہت جلد ٹھیک کرنے میں فائدہ مند ثابت ہوتی ہے۔

☆ ہلدی جوڑوں کے درد، اکڑن اور سوجن میں کمی لانے کی صلاحیت رکھتی ہے۔

☆ ہلدی کا استعمال زہر کو بہت ہی کم وقت میں چوس لیتا ہے اور زہر کو مزید پھیلنے سے روکتا ہے۔

☆ ہلدی کا استعمال دل کی مضبوطی کے لیے برسوں سے آزمایا ہوا نسخہ ہے۔ اس کے استعمال سے دل کی تنگ شریانیں کھل جاتی ہیں۔

☆ ہلدی پھٹی ہوئی ایڑیوں کے لیے بہت فائدہ مند ثابت ہوتی ہے۔

☆ ہلدی سے تیار شدہ دوا دِماغ کے خلیوں تک پہنچتی ہے اور دماغی عمل کے مسائل کو کم کرنے میں بے حد مددگار ثابت ہوتی ہے۔

☆ ہلدی نہ صرف معدے کے امراض کے لیے بہت مفید ہے، بل کہ یہ جگر کے مریضوں کے علاج میں بھی بے حد مفید ہے، کیوں کہ یہ ایک بہترین اینٹی آکسیڈینٹ کی طرح خون کو صاف کرتی ہے۔

# حکیم توتا

حوریہ بتول۔ منڈی بہاؤالدین

ایک دفعہ کا ذکر ہے۔ جو بالہ جنگل کا بادشاہ شیر شدید بیمار ہو گیا۔ حکیم ہاتھی نے ہر دوا آزمالی لیکن شیر کو افاقہ نہیں ہو رہا تھا۔

لمبے کانوں والے سفید خرگوش، جسے سب پیار سے گوشی کہتے تھے، کو بادشاہ شیر نے اپنی خدمت کے لیے معمور کر لیا۔ گوشی دن رات دل جمعی سے بادشاہ شیر کی خدمت کر رہا تھا، لیکن بادشاہ سلامت ''جوں جوں دوا کی توں توں مرض بڑھتا گیا'' کی عملی تفسیر بنے ہوئے تھے۔ حکیم ہاتھی کی ہزاروں قسم کی دوائیں کھانے سے بھی بادشاہ کو ذرا سا بھی افاقہ نہیں ہو رہا تھا۔

وزیر لومڑی نے جب سب کچھ اپنے منصوبے کے مطابق ہوتا دیکھا تو سوچنے لگی:

''اب موقع آ گیا ہے جنگل کی بادشاہی سنبھالنے کا۔ مجھے سب چالاک لومڑی کہتے ہیں تو اب وقت آ گیا ہے کہ میں اپنی چالاکی سے فائدہ اٹھاؤں۔''

لومڑی اسی وقت بادشاہ کی عیادت کرنے گئی اور منہ لٹکا کر کہنے لگی:

''بادشاہ سلامت! آپ کو آرام کی سخت ضرورت ہے، اس لیے فی الحال آپ جنگل کے معاملات سے کنارا کر لیں اور بس اپنے علاج پر دھیان دیں۔ جب تک آپ صحت مند نہیں ہو جاتے میں سب کچھ سنبھال لوں گی۔''

لومڑی کی فکر دیکھ کر شیر نے ممنونیت سے اس کی طرف دیکھا اور چند منٹوں میں ہی جنگل کی بھاگ دوڑ اُس کے سپرد کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

''بی لومڑی! مجھے امید ہے کہ تم جانوروں کے حقوق کا پورا خیال رکھو گی۔'' شیر کے کہنے پر لومڑی اپنا سر زور زور سے ہاں میں ہلانے لگی۔

اگلے دن شیر نے تمام جانوروں کو اکٹھا کیا اور کہا:

''میرے پیارے دوستو! جب تک میں ٹھیک نہیں ہو جاتا تب تک جنگل کے تمام معاملات لومڑی دیکھے گی۔ آج سے لومڑی کا حکم ماننا تم سب پر ضروری ہے۔ ہاں، اگر کسی جانور کو لومڑی سے کوئی شکایت ہو تو وہ بلا جھجک مجھے آ کر بتا سکتا ہے۔'' بادشاہ کا اعلان سن کر سب جانور حیرت سے ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔ انھیں بادشاہ سلامت سے اس بے وقوفی کی امید نہیں تھی۔

''یہ چالاک لومڑی وزیر بن کر ہمارا جینا حرام کیے رکھتی تھی، بادشاہ

کی جگہ لے کر تو یہ ہمیں خوب ستائے گی۔'' بندر نے زرافے کے کان میں سرگوشی کی۔

دوسری طرف لومڑی ناگواری سے شیر کی طرف دیکھنے لگی، اسے شیر کی مداخلت والی بات پسند نہیں آئی تھی۔ اس طرح تو سب جانور اُس کے خلاف شیر کے کان بھر دیں گے اور وہ اپنی من مانی نہیں کر پائے گی۔

چالاک لومڑی نے جانوروں کے چہروں پر بکھری فکرمندی کو محسوس کیا اور اُس کے شاطر دماغ نے فوراً ایک اور منصوبہ بنالیا۔

''بادشاہ کی جگہ سنبھالنے کے چند دِن بعد لومڑی شیر کی عیادت کرنے گئی اور ہمدردی سے کہنے لگی:

''بادشاہ سلامت! ساتھ والے جنگل میں ایک لال رنگ کا حکیم توتا رہتا ہے، جو ہر قسم کی بیماری کا علاج کر دیتا ہے۔ میں اس لال توتے کو یہاں لے آتی ہوں، تاکہ ہم اس سے آپ کی بیماری سے متعلق پوچھ سکیں۔ اس طرح آپ کی اور ہم سب کی فکرمندی دور ہوجائے گی۔'' شیر نے حکیم توتے کو بلانے کی اجازت دے دی۔

''دال میں ضرور کچھ کالا ہے۔ یہ لومڑی اب نہ جانے کیا منصوبہ بنا رہی ہے۔ اب مجھے ہی کچھ کرنا ہوگا۔'' گوشی، جو بادشاہ سلامت کے لیے تازہ جڑی بوٹیوں سے بنا قہوہ لایا تھا، لومڑی کی بات سن کر سوچنے لگا۔

اگلے دن لومڑی حکیم توتے کو لے کر شیر کی کچھار میں داخل ہوئی۔ شیر کی طبیعت قہوہ پینے سے آج کچھ بہتر تھی۔

''توتے میاں! بادشاہ شیر کا معاینہ کر کے بتاؤ کہ یہ مہلک بیماری جو دِن بدن انھیں کمزور کرتی جا رہی ہے، اس بیماری سے ہمارے بادشاہ سلامت کب نجات پا سکیں گے۔'' لومڑی کے عیاری سے آنکھیں گھما کر پوچھنے پر لال توتا اُڑ کر بادشاہ سلامت کے اوپر آ بیٹھا۔ چند منٹ بعد لال توتا، شیر سے کہنے لگا:

''بادشاہ سلامت! جب تک آپ بی لومڑی کو اپنے جنگل میں رکھیں گے آپ صحت یاب نہیں ہو سکتے۔''

لومڑی حیرت سے لال توتے کو دیکھنے لگی۔ اس نے تو کچھ اور کہنے کے لیے اس نقلی حکیم کو اِنعام سے نوازنے کا وعدہ کیا تھا۔

اس سے پہلے کہ لومڑی کچھ کرتی بادشاہ کے اشارہ کرنے پر ہاتھی نے لومڑی کو سونڈ میں لپیٹا اور جنگل سے باہر جانے والے راستے پر چل پڑا۔

.......☆.......

''پیارے توتے! میں تمھارا یہ احسان زندگی بھر نہیں بھولوں گا۔'' لال توتا واپس جانے لگا تو گوشی بھاگتا ہوا اُس کے پیچھے چلا آیا۔

''یہ سب تمھاری عقل مندی کی وجہ سے ہوا ہے۔'' لال توتے نے گوشی کو سراہا۔

گوشی کو شروع سے شک تھا کہ لومڑی کچھ زہریلی جڑی بوٹیاں بادشاہ سلامت کو کھلاتی ہے اور جب گوشی نے توتے والا قصہ سنا تو وہ لومڑی کی جاسوسی کرنے لگا۔

لال توتے کو لومڑی نے انعام کا لالچ دیا اور نقلی حکیم بننے پر رضامند کرنے لگی:

''ہمارے جنگل کا بادشاہ شیر بہت ظالم ہے، اس لیے سب جانور اُس سے نجات حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ تم بادشاہ کو بس اتنا کہنا کہ آپ کچھ دن کے مہمان ہیں، اس لیے مرنے سے پہلے جنگل کا نیا بادشاہ منتخب کرلیں۔ اس طرح ہم ظالم شیر سے چھٹکارا حاصل کر لیں گے۔''

لومڑی کو یقین تھا شیر، جنگل کا بادشاہ اس کے سوا کسی اور کو نہیں بنائے گا۔

''پیارے توتے! میں جانتا ہوں کہ تم نیک دل کے مالک ہو۔ یہ چالاک لومڑی بادشاہ بننے کے لیے بادشاہ کو زہریلی جڑی بوٹیاں کھلاتی ہے اور اَب جب اس سے انتظار نہیں ہو رہا تو یہ تمھارے پاس چلی آئی ہے۔''

لومڑی کے جانے کے بعد گوشی درخت کے پیچھے سے نکلا اور توتے کو لومڑی کی اصلیت سے آگاہ کیا۔

''میں ایسے ہی تم دونوں کی بات پر یقین نہیں کروں گا، اس لیے میں خود سچ کا پتا لگاؤں گا۔ میرا وعدہ ہے کہ تم دونوں میں سے جو سچا نکلا میں اس کا ساتھ ضرور دوں گا۔'' لال توتے کے کہنے پر گوشی مطمئن ہوگیا۔

توتے کو لومڑی کے جھوٹ کا پتا چلا تو اُس نے وعدے کے مطابق سچ کا ساتھ دیا اور جنگل کو ظالم اور چالاک لومڑی سے بچالیا۔

میں خاموش نہیں رہوں گا ......

# فاتح کون ۲

۱۲

نذیر انبالوی۔ لاہور

’’شرشر کے پاس ایسا طلسمی پانی ہے جس سے میں بجھ سکتی ہوں، وہ طلسمی پانی مجھے مار سکتا ہے، اس لیے میں شرشر کے گرد کھینچا ہوا حصار ختم نہیں کرسکتی۔‘‘ آتش نے جواب دیا۔

’’بس اتنی سی بات ہے، طلسمی پانی کو میں ابھی بے اثر کیے دیتا ہوں، لو خود دیکھ لو۔‘‘

یہ کہہ کر شیطان اعظم نے دھیمی آواز میں کچھ پڑھنا شروع کیا۔ ملکہ بدی اور وہاں موجود بُرائیوں کی نگاہیں شیطان اعظم پر تھیں۔ شیطان اعظم کافی دیر تک بڑبڑاتا رہا، پھر اُس نے پہلے دائیں پھر بائیں دیکھ کر اپنا منہ مغرب کی طرف کرکے ایک زور دار پھونک ماری۔

’’لو، اب طلسمی پانی بے اثر ہوگیا ہے، اب شرشر تمھارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا، اب جلدی سے شرشر کے گرد کھینچا

ہوا حصار ختم کردو، جلدی کرو۔‘‘ شیطان اعظم نے کہا۔

آتش نے یہ حکم ملتے ہی بلند آواز سے منتر پڑھا تو شرشر کے گرد کھینچا حصار ختم ہوگیا۔ حصار ختم ہوتے ہی آگ کا ایک لپکا باہر کی طرف بڑھا۔ وہ تھوڑی دیر میں واپس آیا تو شرشر اُس کی گرفت میں تھا۔

’’اسے آتشِ زنداں میں ڈال دیا جائے۔‘‘ شیطان اعظم چیخا۔

’’رحم......رحم کیا جائے۔‘‘ شرشر گڑگڑایا۔

’’حکم کی تعمیل کی جائے۔‘‘

شیطان اعظم کسی صورت شرشر کو معاف کرنے کے لیے تیار نہ تھا۔ شرشر روتا پیٹتا رہا، لیکن آگ کا لپکا اسے اپنی گرفت میں لیے آتش زنداں کی طرف چل پڑا۔

’’ملکہ بدی! اب تم آرام سے اپنا کام کرو، انسانوں کو بُرائیوں کے راستے پر چلاؤ، اب تمھیں شرشر سے کوئی خطرہ نہیں ہوگا، جب ضرورت پڑے بلا جھجک میرے دربار میں آجایا کرو، میں تمھاری ضرور مدد کروں گا۔‘‘

شیطان اعظم کی بات سن کر ملکہ بدی سمیت تمام بُرائیوں نے جھک کر اُس کی تعظیم کی، پھر ساری بُرائیاں ملکہ بدی کے ساتھ بدی پورہ واپس آگئیں۔

ملکہ بدی نے شرشر سے نجات پانے کے بعد بُرائیوں پر نگاہ ڈالی۔ اب بدی پورہ سے جسے اِنسانوں کے درمیان جانا تھا ملکہ بدی نے اس کا انتخاب کرلیا تھا۔ ملکہ بدی اپنے تخت سے اُتر کر حسد کے پاس گئی۔ حسد بھی ملکہ بدی کو دیکھ کر فوراً اُٹھ کھڑا ہوا۔ ملکہ بدی نے حسد کو دیکھتے ہوئے کہا:

’’اب تمھاری باری ہے، انسانوں کو اپنے راستے پر چلاؤ۔ مجھے امید ہے کہ تم مجھے مایوس نہیں کروگے۔ اب انسانوں میں جانے

کے لیے تیاری کرو۔''

''میں آپ کو مایوس نہیں کروں گا۔ میں ایسا جال بچھاؤں گا کہ انسانوں کو ہر طرف حسد ہی حسد نظر آئے گا۔'' حسد بولا۔

''مجھے بھی اس کے ساتھ جانے دیں۔'' غصہ آگے بڑھ کر التجائی انداز میں بولا۔

''ابھی تم آرام کرو، اس مرتبہ صرف حسد بدی پورہ سے جائے گا، اگر ضرورت پڑی تو کسی اور کو حسد کی مدد کے لیے روانہ کیا جائے گا۔'' ملکہ بدی نے جواب دیا۔

☆

''واہ! کیا عمدہ کہانی ہے، بہت خوب! ماشاءاللہ! شان دار کہانی ہے۔'' عباس نے دانیال کی کہانی پڑھ کر اپنی رائے کا اظہار کیا۔

''کہانی تو بس واجی سی ہے، تعلقات کی بنیاد پر ہر طرح کی کہانی چھپ جاتی ہے۔'' یہ خیال توقیر کا تھا۔

''یہ واجی کہانی نہیں ہے، نیا خیال ہے اور لکھنے کا انداز بھی بہت مؤثر ہے، میرے خیال میں تم نے ابھی تک یہ کہانی نہیں پڑھی۔ لو کہانی پڑھو، پھر اپنی رائے کا اظہار کرنا۔'' عباس نے رسالہ توقیر کی طرف بڑھایا۔

''اپنے پاس رکھو رسالہ، میں کیوں کہانی پڑھوں۔ مجھے معلوم ہے دانیال کیسی کہانیاں لکھتا ہے۔ مدیران کو تحائف بھیجتا رہتا ہے، اس لیے یہ جیسا بھی لکھتا ہے وہ چھپ جاتا ہے۔'' توقیر کے لہجے میں نفرت تھی۔

''توقیر! تم حسد کر رہے ہو، یہ بُری بات ہے۔ تم بھی کوشش کر کے دانیال جیسی کہانیاں لکھ سکتے ہو، حسد مت کرو۔'' عباس کی بات توقیر کو اچھی نہ لگی۔ وہ بھنا کر بولا:

''میں کیوں کروں گا دانیال سے حسد!؟ میں کتنا بھی اچھا لکھ لوں میری کہانیاں شائع نہیں ہو سکتیں، میں ہر رسالے کو کہانی بھیج چکا ہوں، سوائے ایک دو کہانیوں کے سب کہانیاں ناقابلِ اشاعت ہونے کے باعث میرے پاس واپس آچکی ہیں۔ سفارش اور تعلقات کے بغیر کچھ شائع نہیں ہوتا۔''

''میں تمھاری بات سے اتفاق نہیں کرتا، معیاری تحریر ہر رسالے میں جگہ بنا لیتی ہے۔ اپنی کہانیوں کو غور سے پڑھو، جو خامیاں ان میں ہیں انھیں دور کرو، پھر ہر رسالے میں تمھاری کہانیاں شائع ہو جائیں گی۔'' عباس یہ کہہ کر باغ سے باہر چلا گیا۔

''بڑا آیا دانیال کا دیوانہ!'' توقیر بڑبڑایا۔

''تم ٹھیک کہتے ہو، سفارش کی بنیاد پر دانیال کی کہانیاں شائع ہوئی ہیں، میں تمھاری بات سے اتفاق کرتا ہوں۔'' حسد نے توقیر کے ساتھ گھاس پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

''تم کون ہو؟'' توقیر نے حسد کو گھورا۔

''میں وہی ہوں جس کے بارے میں ابھی عباس نے تمھیں طعنہ دیا ہے، میں حسد ہوں تمھارا دوست، اب میں ہر جگہ تمھارے ساتھ رہوں گا۔''

حسد کی بات سن کر توقیر نے دہرایا:

''حسد، میرا دوست۔''

''ہاتھ ملاؤ، دوست بن جاؤ۔'' حسد نے توقیر کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

توقیر نے فوراً حسد کا ہاتھ پکڑ لیا۔

اس دوستی کے بعد دونوں ہر جگہ اکٹھے جانے لگے۔ اگلے ہفتے دونوں اسکول میں منعقدہ سالانہ تقریری مقابلے میں موجود تھے۔ توقیر بار بار اپنی تقریر دُہرا رہا تھا۔ وہ ایک ایک جملے کو بار بار دُہرا رہا تھا۔ مقررین کو ایک طرف بٹھایا گیا تھا۔

تلاوتِ قرآن مجید کے بعد تقریری مقابلے کا آغاز ہوا۔ کچھ مقررین نے جوشیلے انداز میں تقاریر کیں۔ کچھ تقریر کرتے ہوئے رٹے ہوئے جملے ایسے بھولے کہ پھر کچھ بول نہ پائے۔ توقیر بھی ایک جملہ بھولا تھا، مگر پھر وہ اپنی تقریر کو مقررہ وقت میں ختم کرنے میں کام یاب ہو گیا تھا۔ اساتذہ نتائج مرتب کرنے میں مصروف ہوئے تو توقیر نے حسد کی طرف دیکھا۔ حسد کرسی کے ساتھ ہی کھڑا تھا۔ نتائج کا اعلان ہوا تو انعام حاصل کرنے والوں میں توقیر کا نام شامل نہ تھا۔ توقیر اپنی ناکامی پر غصے میں تھا۔ تیسرا انعام حاصل کرنے والے طالب علم وجاہت نے توقیر کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا:

ع ''مقابلہ تو دلِ ناتواں نے خوب کیا۔''

توقیر سے اپنی ناکامی برداشت نہیں ہو رہی تھی۔ اس نے وجاہت کو دھکا دے کر کرسی سے گرا دیا۔ سر اعجاز صاحب نے اسے گھورا۔

توقیر اَب مزید وہاں ٹھہرنا نہیں چاہتا تھا۔ وہ پاؤں زمین پر

پٹختا ہوا ہال سے باہر چلا گیا۔ اس کے ہم راہ حسد بھی تھا۔ اسے ہال سے نکلتے ہوئے بھی سر اعجاز صاحب نے دیکھ لیا تھا۔ طبیعت کی خرابی کا بہانہ بنا کر توقیر چھٹی سے پہلے اسکول سے گھر چلا گیا۔ اسے اداس دیکھ کر دادا جان کو حقیقت کا علم ہوگیا۔

''مقابلوں میں ہار جیت تو ہوتی رہتی ہے۔'' دادا جان نے بغیر تمہید باندھے توقیر کو مخاطب کیا۔

''اگر مقابلہ ہو تو، وجاہت کی تقریر بھی میری تقریر جیسی تھی، میں انعام کا حق دار تھا۔ مجھے انصاف چاہیے، کوئی ہے جو مجھے انصاف دلائے۔''

توقیر کی بلند آواز سن کر آپی شگفتہ کمرے میں آگئیں۔ انھوں نے توقیر کو گھورا۔ توقیر نے انصاف حاصل کرنے کے لیے پہلی بار تو آواز بلند نہ کی تھی۔ گھر میں ذرا سی بات ہو جاتی وہ یہی جملہ دہراتا رہتا: ''مجھے انصاف چاہیے، میرے ساتھ ظلم ہوا ہے۔''

''اچھا تو اب پھر تمھیں انصاف چاہیے! مجھے معلوم ہے تمھاری تقریر کی تیاری کیسی تھی، اٹک اٹک کر تو جملے ادا کر رہے تھے، بہت سے جملے تمھیں یاد بھی نہیں تھے۔ انعام نہ ملنے پر اب انصاف کی باتیں کر رہے ہو۔ آئندہ اچھے طریقے سے تیاری کرنا، تمھیں انعام مل جائے گا، محنت کرو، کسی کی کامیابی پر حسد نہ کرو......''

''ہونہہ...... حسد!'' توقیر نے آپی کی بات بھی پوری نہ ہونے دی۔ اپنا ذکر سن کر حسد نے توقیر کے کان میں سرگوشی کی:

''میں تمھارے پاس ہوں، آؤ کمرے میں چلتے ہیں۔''

یہ سن کر توقیر نے حسد کی انگلی پکڑی اور اپنے کمرے میں چلا گیا۔ آپی کچھ اور بھی کہنا چاہتی تھیں، پر دادا جان کے اشارے پر اُنھوں نے

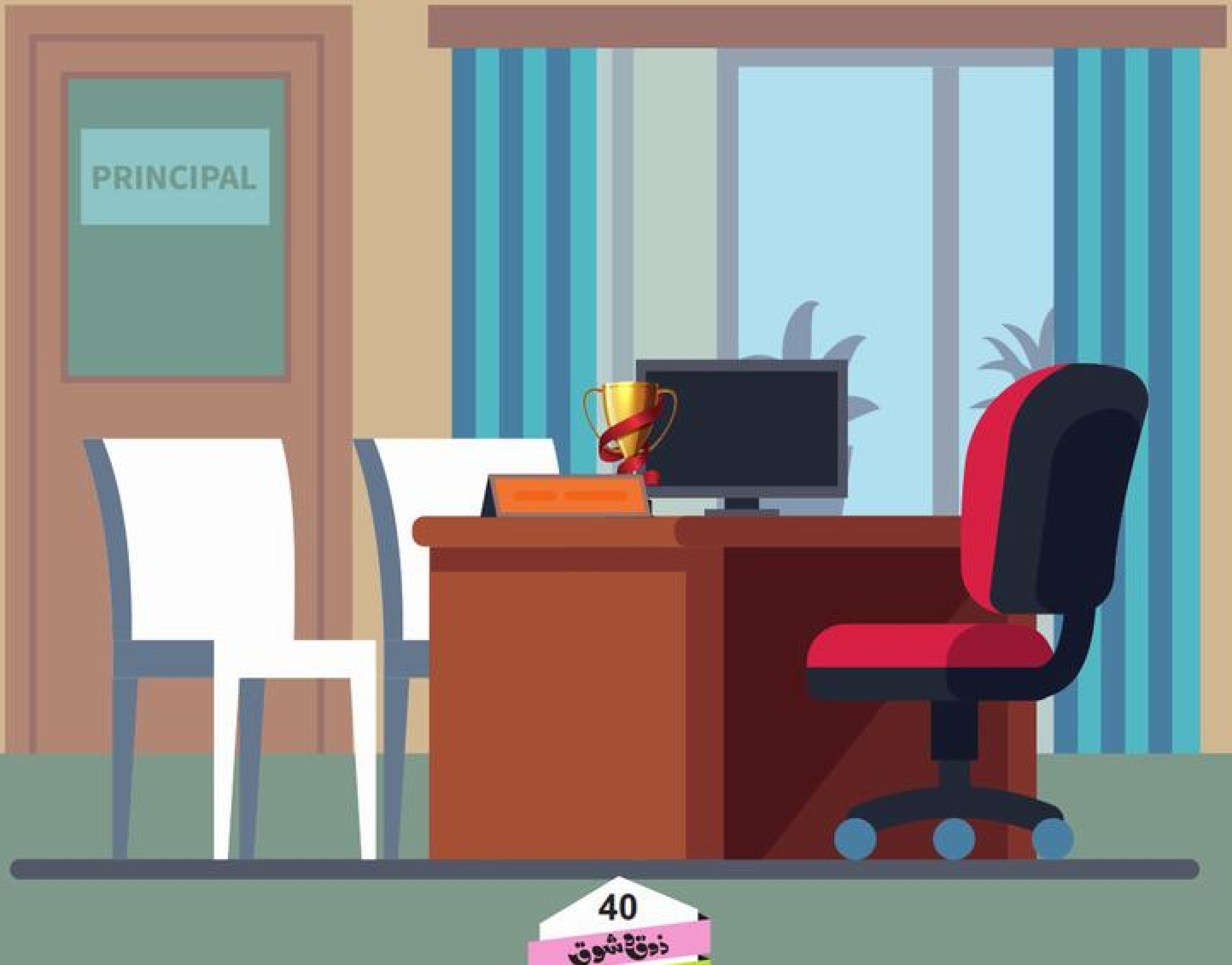

خاموشی اختیار کر لی تھی۔

کمرے میں جاتے ہی توقیر نے موبائل فون اُٹھالیا۔ آن لائن کلاسوں کے باعث گھر والوں نے اسے موبائل فون لے کر دیا تھا۔ اگرچہ اب اسکول میں پڑھائی ہو رہی تھی، مگر اُس کے باوجود اُس کے پاس موبائل فون تھا۔ اس نے اپنے چچازاد بھائی عمر کو واٹس ایپ پر میسج کیا کہ اس کے ساتھ تقریری مقابلے میں انصاف نہیں ہوا، پھر اُس نے سارا قصہ عمر کو سنا دیا۔

اس کے جواب میں عمر نے کہا:

’’دوسروں کی کام یابی پر غم زدہ ہونے کے بجائے ان کی خوشیوں میں شامل ہو جاؤ، حسد مت کرو، حسد کرنا اچھی بات نہیں۔‘‘

’’یہ وعظ بند کرو، میرا یہ حق ہے کہ اپنے حق کے لیے آواز بلند کروں، میں حق ملنے تک آواز بلند کرتا رہوں گا۔ آئندہ میں تم سے بھی بات نہیں کروں گا۔‘‘ توقیر نے عمر کو فوراً جواب دیا۔

’’میری بات تو سنو۔‘‘

’’میں تمھاری کوئی بات سننا نہیں چاہتا۔‘‘ یہ میسج کر کے توقیر نے موبائل فون کا بٹن دبا کر اُسے بند کر دیا۔

’’میرے ہوتے ہوئے پریشان مت ہونا، تم انعام کے حق دار ہو، تمھاری تقریر بہت عمدہ تھی، کل پرنسپل صاحب سے ملنا، اپنے حق کے لیے آواز بلند کرنا۔‘‘ حسد نے توقیر کو مخاطب کیا۔

’’ہاں، میں ایسا ہی کروں گا، میں کل پرنسپل صاحب سے ضرور ملوں گا، انھیں ایک ایک بات بتاؤں گا۔ مجھے انصاف ملنا چاہیے، میں انصاف ملنے تک خاموش نہیں رہوں گا۔‘‘ توقیر بولتا چلا گیا۔

وہ رات بھر جاگتا رہا، نیند تو شاید اُس سے روٹھ سی گئی تھی۔ وہ آنکھیں بند کیے بستر پر لیٹا رہا۔ آپی کے جگانے کے باوجود اُس نے فجر کی نماز ادا نہ کی۔

ناشتے کے بعد اُسے اسکول چھوڑنے کے لیے ڈرائیور رب نواز دروازے پر موجود تھا۔ رب نواز نے محسوس کیا کہ توقیر خاموش اور پریشان ہے۔ اس نے سوال کیا:

’’کیا کوئی پریشانی ہے؟‘‘

’’کوئی پریشانی نہیں ہے، تم دھیان سے گاڑی چلاؤ۔‘‘ توقیر نے ناخوش گوار انداز میں رب نواز کو گھورا۔

تفریح کے وقفے میں توقیر، پرنسپل صاحب کے دفتر کے باہر کھڑا تھا۔

کچھ دیر بعد وہ پرنسپل صاحب کے دفتر میں داخل ہوا تو وہاں پہلے سے وجاہت موجود تھا۔ اسے کل جو ٹرافی انعام میں ملی تھی وہ پرنسپل صاحب کی میز پر رکھی تھی۔ توقیر خاموشی سے دائیں طرف بیٹھ گیا، اس کی نظریں ٹرافی پر جمی ہوئی تھیں۔

(وجاہت، پرنسپل صاحب کے دفتر میں کیوں بیٹھا تھا؟ توقیر کو اِنصاف ملا یا نہیں؟ یہ جاننے کے لیے پڑھیے اگلی قسط)

## سوال آدھا، جواب آدھا (۳۲) کے درست جوابات

1. چھے سورتیں (سورۂ یونس، سورۂ ہود، سورۂ یوسف، سورۂ ابراہیم، سورۂ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور سورۂ نوح (علیہ السلام)۔
2. اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو بھی بچپن میں نبوت عطا فرمائی تھی۔
3. حضرت عبداللہ بن اُمِّ مکتوم رضی اللہ عنہ۔
4. حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ۔
5. جلال الدین خلجی نے 1290ء سے 1296ء تک ہندوستان پر حکومت کی تھی۔
6. سرگودھا۔
7. سوویت یونین (روس)۔
8. مارخور۔
9. ۵۷ فی صد۔
10. صرف ایک فریق کی زیادتی کی وجہ سے لڑائی نہیں ہوتی۔ محبت یا نفرت دونوں طرف سے ہوتی ہے۔

## ذوقِ معلومات (۷۶) کا درست جواب

☆ادرک

# پیاری چڑیا

عبیدالرحمٰن مغل۔ نواب شاہ

آج سنو اک پیاری کہانی
دو بھائی تھے شانی مانی

ہر اک کی وہ مدد تھے کرتے
دل کے تھے وہ دونوں اچھے

اک دن گھر میں چڑیا آئی
زخمی پروں کو ساتھ وہ لائی

دیکھ کے ان کا دل گھبرایا
زخم تھا اس کے گہرا آیا

شانی نے چڑیا کو اٹھایا
پیار سے اس کو ہاتھ لگایا

مانی دوڑا دیکھ کے اس کو
بھاگ کے لایا مرہم تھی جو

زخم پہ مرہم اس کے لگائی
چڑیا کی جاں میں جان پھر آئی

سب کی مدد تم کرنا بچو!
اس سے رب خوش ہوگا پیارو!

چڑیا چوں چوں شور مچائے
شکرِ خدا میں سر کو جھکائے

دو دن میں پھر ہوئی بھلی وہ
اپنے پروں پہ اڑنے لگی وہ

# محنت کا ثمر

فاکہہ قمر۔ سیالکوٹ

"بے وقوف! نالائق! ہمیشہ ناک ہی کٹوانا ہماری!"

لائبہ کافی دیر سے اپنی امی کی زبانی ایسے القابات سن رہی تھی۔

"کبھی تو ہماری عزت رکھ لے، ہر جگہ شرم سے سر جھکا کر رکھ دیا ہے۔"

امی مارے غم و غصے کے لائبہ کو کوس رہی تھیں۔

بت بنی، آنکھوں میں آنسو لیے، سر جھکائے، زمین کو ٹکر ٹکر دیکھتی لائبہ خاموشی سے اپنی عزت کا جنازہ نکلتے دیکھ رہی تھی۔

☆......

مجھے بہت معذرت کے ساتھ کہنا پڑ رہا ہے، لیکن آپ کی بچی پڑھائی میں بہت کمزور ہے۔ اس کو حروف کی پہچان تک نہیں ہے۔ ایسی کیفیت میں اسے اگلی جماعت میں منتقل کرنا سراسر زیادتی ہے۔

کمرۂ اساتذہ میں مکمل خاموشی تھی، صرف استانی صاحبہ کی آواز کمرے میں گونج رہی تھی۔ آس پاس ساری استانیاں ان کی طرف متوجہ تھیں۔ استانی صاحبہ اس وقت لائبہ کی امی سے مخاطب تھیں، جو کہ شرمندگی کے مارے سر جھکائے بیٹھی تھیں۔

آج امتحانات کے نتائج کا دن تھا۔ اسکول میں والدین کے ساتھ ایک ملاقات کا انعقاد کیا گیا تھا۔ لائبہ کی امی اس کا نتیجہ لینے آئی تھیں، اپنی بیٹی کی تعلیم میں بری کارکردگی کا سن کر ان کا سر جھک گیا تھا۔

آئے روز امی کے منہ سے اپنے لیے بُرے القابات سُن سُن کر اور مار کھا کھا کر لائبہ ڈھیٹ ہوگئی تھی۔ اس پر کوئی بات اثر نہیں کرتی تھی۔ کوئی اسکول یا ٹیوشن سنٹر ایسا نہیں تھا جو لائبہ کو اُس کی ناقص تعلیمی صورتِ حال کے باعث چھوڑنا نہ پڑا ہو۔ گلی، محلے، گھر، رشتے دار یا اسکول، غرض کوئی جگہ ایسی نہ تھی جہاں پر لائبہ اپنی تعلیمی صورت حال کی وجہ سے مشہور نہ تھی۔

لائبہ کی امی آج پھر اُس کی شکایتیں سن کر آئی تھیں اور اَب صحن میں بیٹھی اونچی آواز میں روتے ہوئے واویلا کر رہی تھیں۔

لائبہ نے ایک نظر اُٹھا کر آس پاس کی چھتوں پر کھڑے تماش بینوں کو دیکھا اور پھر سر جھٹک کر دوبارہ کھیل میں مصروف ہوگئی۔ لائبہ کے لیے اب یہ معمول بن گیا تھا، اس لیے اسے اب فرق نہیں پڑتا تھا۔

اتنے میں لائبہ کی پھوپھی آوارد ہوئیں اور اپنی بھابی کو روتا دیکھ کر پریشان ہوگئیں۔

"کیا بات ہے باجی! کیوں رو رہی ہوں؟ سب خیر ہے نا!؟"

پھوپھی نسیم نے پریشانی سے استفسار کیا۔

"ہائے اللہ! کیا بتاؤں؟ یہ ڈھیٹ، بے وقوف، نالائق سمجھتی ہی نہیں

ہے۔ گیارہ سال کی ہوگئی ہے یہ اور ابھی تک دوسری جماعت میں پھنسی بیٹھی ہے۔ اس کی سمجھ میں کیوں نہیں آتا کہ پڑھے گی، لکھے گی نہیں تو کیا کرے گی؟ اَن پڑھ رہے گی کیا؟ لوگوں کے گھروں میں کام کرے گی کیا؟ تعلیم کے بغیر زندگی میں صرف اندھیرا اور مایوسی ہے۔ یہ کیوں نہیں سمجھتی؟''

لائبہ کی امی نے اپنا دکھ اس کی پھوپھی کو بتایا۔

''اللہ خیر کرے گا! پریشان نہ ہو باجی! ادھر ساتھ والے محلے میں ایک استانی ہیں۔ سنا ہے، بہت اچھا پڑھاتی ہیں، ان کے پاس چلتے ہیں۔ کیا پتا، اس دفعہ کام بن جائے۔''

پھوپھی نے لائبہ کی امی کو ایک نئی کرن دکھائی۔ وہ فوراً تیار ہوگئیں۔

لائبہ کو لے کر جب وہ استانی کے پاس پہنچے تو اُس کی امی نے لائبہ کی تعلیمی صورتِ حال کے متعلق سب کچھ صاف صاف بتا دیا۔ ان کا خیال تھا کہ یہ استانی صاحبہ کبھی بھی ایسی نالائق بچی کو نہیں پڑھائیں گی، لیکن ان کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب استانی صاحبہ نے بخوشی لائبہ کی حامی بھری۔

ٹیوشن والی استانی صاحبہ کا مزاج نہایت مشفقانہ اور نرم تھا۔ پہلے دن ہی لائبہ کو اُستانی اچھی لگیں۔ وہ وہاں پڑھنے والے بچوں میں گھل مل گئی۔ اصل مسئلہ تب درپیش ہوا جب استانی صاحبہ کا دیا گیا کام لائبہ کرنے سے قاصر تھی۔ اسے لفظ بولنے نہیں آتے تھے، نہ ہی لکھنے میں مہارت تھی۔ ایک سوال کو یاد کرنے میں گھنٹا گھنٹا صرف کر دیتی تھی۔

شروع کے دنوں میں استانی، لائبہ سے بہت زچ ہوئیں، لیکن جب انھیں لائبہ کی اصل صورتِ حال کا اندازہ ہوا تو اُنھوں نے اسے پیار سے سمجھانا شروع کر دیا کہ تعلیم انسان کے لیے کس قدر ضروری ہے، بغیر تعلیم کے زندگی کس حد تک دشوار ہو سکتی ہے۔ لائبہ نے دل میں پکا عہد کر لیا کہ اب وہ ہمت نہیں ہارے گی، اپنی ہر ممکن کوشش کرے گی اور اُنھیں شکایت کا موقع نہیں دے گی۔

اب لائبہ لگن سے پڑھنے لگی۔ جو لفظ سمجھ میں نہ آتا وہ استانی سے پوچھتی، حتیٰ کہ بعض دفعہ بار بار پوچھتی۔ استانی صاحبہ اس کی مکمل راہ نمائی کرتیں اور جب اچھا کام کرتی تو اُس کی خوب حوصلہ افزائی کرتیں۔

محض توجہ اور حوصلہ افزائی کے ساتھ چند ماہ میں ٹوٹی پھوٹی تیاری کر کے لائبہ نے امتحانات میں کام یابی حاصل کر لی تھی۔ سب حیران تھے کہ تمام مضامین میں فیل ہونے والی آج پاس کیسے ہوگئی!؟ نمبر بے شک تھوڑے تھے، لیکن وہ پاس تھی۔ یہی اس کی امی کے لیے، بہت بڑی خوشی تھی۔

لائبہ کی امی کا خیال ہے کہ استانی صاحبہ نے محنت کروائی ہے، اس لیے یہ انقلاب رونما ہوا ہے، جب کہ استانی صاحبہ کا کہنا ہے کہ یہ سب لائبہ کی اپنی محنت کا ثمر ہے۔

آپ قارئین کیا کہتے ہیں؟

## بقیہ: بخیے ادھیڑنا

اماں جان گویا ہوئیں:

''ماسی! آپ یہ جو ہر کسی پر اُنگلی اٹھا دیتی ہیں، بنا سوچے سمجھے غیبت، چغلی، بہتان اور الزام تراشیاں کرتی پھرتی ہیں، اسے عزت کے بخیے اُدھیڑنا کہتے ہیں۔ اب اس سے پہلے کہ ہم آپ کی عزت کے بخیے ادھیڑنا شروع کریں، براہِ مہربانی نامعلوم مدت کے لیے یہاں سے نو دو گیارہ ہو جائیں۔''

اماں جان اس وقت صحیح معنوں میں مرحومہ دادی اماں کی بہو لگ رہی تھیں۔ انھی کی طرح صاف گو اور بے باک، جو مد مقابل سے دبنا نہیں جانتی تھیں۔

جنید بھی اس موقع پر بہت اچھا رہا تھا کہ اس نے غلط بات برداشت نہیں کی تھی۔ میں تو کبھی بھی نہیں کہہ سکتی، بھئی بہت ڈر لگتا ہے۔ وہ تو اُس دن اماں جان کی گُھرکی اور جنید کی تدبیر نے کام کر دکھایا اور ماسی پھپھے ہمارے گھر سے ہمیشہ کے لیے غائب ہوگئی اور ہم سب نے شکر کا کلمہ پڑھا۔

## بقیہ: کچرے والا

محنت کرنے والے اپنے اپنے کام کو دِل لگا کر کرتے ہیں، کسی کے ذمے کوئی کام ہے تو کسی کے ذمے کوئی اور۔ اسی طرح زندگی مل جل کر بسر کی جاتی ہے۔'' امی نے سمجھایا۔

''یہ تو آپ نے ٹھیک کہا، جیسے مالی کا کام پودوں کی دیکھ بھال ہے تو موچی جوتے وغیرہ صحیح کرتے ہیں، درزی کپڑے سیتے ہیں، دھوبی کپڑے دھوتے ہیں، ہے نا امی!؟'' سارا نے کہا۔

''بالکل درست، اور جو بھی محنت کرتا ہے وہ اچھا ہوتا ہے۔'' امی نے کہا۔

''امی! میں سمجھ گئی، اب میں کسی کو گندا یا بُرا نہیں کہوں گی۔'' سارا نے کہا۔

''شاباش! میری پیاری بیٹی!'' امی نے سارہ کو پیار کیا۔

# شکر پارے

## قارئین

☆ایک پاگل (دوسرے پاگل):

''یار! حیرت کی بات ہے کہ انڈے سے چوزہ کیسے نکل آتا ہے؟''

دوسرا پاگل:

''اس سے زیادہ حیرت کی بات یہ ہے کہ چوزہ انڈے میں داخل کیسے ہوجاتا ہے؟''

☆مریض ڈاکٹر صاحب کے پاس پہنچا اور کراہتا ہوا بولا:

''ڈاکٹر صاحب! کل سے دانت میں سخت درد ہے۔''

ڈاکٹر صاحب: ''ذرا منہ کھولیے، تاکہ آپ کا دانت دیکھ سکوں۔''

مریض نے بے تحاشا منہ کھول دیا۔ ڈاکٹر صاحب یہ دیکھ کر مسکرائے اور بولے:

''اتنا زیادہ منہ کھولنے کی ضرورت نہیں، میں ہمیشہ باہر کھڑے ہو کر ہی معاینہ کرتا ہوں۔''

☆کرائے دار نے مالک مکان سے کہا:

''اس سال تو کھڑکیوں میں پٹ لگوا دیجیے۔ میں کمرے میں بیٹھتا ہوں تو تیز ہوا سے بال بکھر جاتے ہیں۔''

مالک مکان نے کرائے دار کے دیے ہوئے کرائے میں سے دو سو روپے نکال کر اس کے ہاتھ پر رکھتے ہوئے کہا:

''میرا اِتنا خرچہ کرانے سے کیا یہ بہتر نہیں کہ آپ کسی حجام سے اپنے بال کٹوالیں۔''

(ربیکہ بنت محمد طیب۔ کراچی)

☆ایک شخص (ٹیلی فون پر): ''کون بول رہا ہے؟''

جواب آیا: ''میں بول رہا ہوں۔''

پہلا شخص: ''کتنی عجیب بات ہے، ادھر بھی میں ہی بول رہا ہوں۔''

☆امیدوار نے انٹرویو لینے والے افسر سے کہا:

''جناب! نوکری کی تلاش میں میرے جوتے گھس چکے ہیں۔''

افسر نے یہ سن کر کچھ سوچا اور پھر کہا:

''تم انٹرویو کے درمیان یہ بات کوئی پانچ بار دُہرا چکے ہو، پہلے فیصلہ کرلو کہ تمھیں نوکری چاہیے یا جوتے۔''

(امامہ بنت عبیداللہ۔ کراچی)

☆ایک پانچ سالہ بچی اپنے ابو کے ساتھ چڑیا گھر گئی۔ جب وہ ہاتھی کے پاس پہنچی تو دیکھا کہ اس کی ٹانگوں میں جھریوں بھری کھال لٹک رہی ہے۔ اس بچی سے ابو نے کہا:

''نازش! وہ دیکھو ہاتھی۔''

''اچھا، تو یہ ہوتا ہے ہاتھی، مگر ابو! اس کی پتلون تو بہت ڈھیلی ہے۔''

☆ہڈی وجوڑ کے دو ماہر کھڑے ہوئے تھے کہ ایک آدمی دور سے لنگڑاتا ہوا آتا نظر آیا۔ ایک بولا:

''میرے خیال میں اس کے ٹخنے کی ہڈی ٹوٹ گئی ہے۔''

دوسرا کہنے لگا: ''نہیں، اس کے گھٹنے کی ہڈی ٹوٹ گئی ہے۔''

جب وہ آدمی قریب آیا تو اُنھوں نے اس سے پوچھا۔ وہ بولا:

''جناب! میری چپل ٹوٹ گئی ہے۔''

(محمد یوسف۔ حیدرآباد)

☆ایک بے وقوف (دوسرے سے):

''اگر ایک ہاتھی درخت پر چڑھا ہوا ہو اور نیچے اُترنا چاہے تو اُسے کیا کرنا چاہیے؟''

دوسرا بے وقوف: ''اسے چاہیے کہ کسی پتے پر بیٹھ کر خزاں کا انتظار کرے۔''

☆ریل گاڑی میں ایک صاحب نے دوسرے سے پوچھا:

''ر......ر......راول...... پنڈی...... کک...... کتنی دور ہے۔''

دوسرے صاحب نے ان پہلے صاحب کو گھورا اور ایک اور شخص کے پاس جا کر بیٹھ گئے۔ اس شخص نے ان صاحب سے پوچھا:

''آپ نے ان صاحب کے سوال کا جواب کیوں نہیں دیا؟''

وہ صاحب بولے:

''وو......وہ......مم......میرا مذاق اُڑ رہا ہے۔''

(عبدالواحد۔ ٹنڈو الہ یار)

# خوش خبری

اگست 2022، یومِ آزادی کی خوشی کے ساتھ ساتھ......

آپ کے لیے لا رہا ہے......

ایک اور خوشی......

ماہ نامہ ''ذوق وشوق'' کا ''سال نامہ''......

## بعنوان ''تجدیدِ عزم نمبر''

جس میں آپ کو ملیں گی......

مزے دار کہانیاں،

چٹ پٹے لطائف،

دل چسپ مضامین

اور

اِنعامات حاصل کرنے کے ڈھیروں مواقع......

تو ہو جائیے تیار......

اور ہاں......

اللہ تعالیٰ سے اس خصوصی نمبر کے لیے

خصوصی دعاؤں کا اہتمام ضرور کیجیے گا۔

# ہیلی کاپٹر

قانتہ رابعہ۔ گوجرہ

منے میاں جب کسی چیز کی دِل میں ٹھان لیا کرتے ہیں تو عمل بھی کر کے ہی دکھاتے ہیں۔ ایک دو نہیں، دس بارہ واقعات ان کی سات، ساڑھے سات سالہ زندگی میں اس کے گواہ تھے۔ اگر ماموں کے ہاں اسلام آباد کے پاس ان کے گاؤں میں جانے کا اتفاق ہوا اور اُنھوں نے کہا کہ میں اس پہاڑ پر چڑھوں گا تو چڑھ کر دکھایا۔ امی کا دِل دھک دھک ہی کرتا رہا لیکن منے میاں پہاڑی کے اوپر پہنچ ہی گئے۔

پھر کراچی میں چھوٹی خالہ کے ہاں شادی پر گئے تو ساحل سمندر پر سیر کے لیے گئے۔ منوڑہ میں کشتی پر چڑھتے ہوئے بڑوں بڑوں کو پسینے آ رہے تھے، لیکن منے میاں سب کو ہاتھوں سے پیچھے دھکیلتے ہوئے چھلانگ لگانے کے انداز میں کشتی میں داخل ہو گئے۔

اب منے میاں کو اُڑنے والے ہیلی کاپٹر لینے کا شوق چڑھا تھا۔ امی جان کو بتایا، اسی دن ضد کر کے بازار بھی لے گئے۔ دکان میں داخل ہوتے ہی دکان دار سے پوچھا:

''انکل! یہ ہیلی کاپٹر کتنے کا ہے؟''

دکان دار نے نظروں ہی نظروں میں گاہک کی قوت خرید کا اندازہ لگاتے ہوئے جواب دیا:

''پانچ ہزار کا۔''

''پپ...... پانچ ہزار!'' امی کا سانس رکا۔

''جی بیگم صاحبہ! اوپر تک اڑان ہے اس کی! سات طرح کی روشنیاں جلتی بجھتی ہیں پرواز کے دوران میں، اوپر جانے اور نیچے آنے کا انداز تو ایسا شان دار ہے کہ آپ اصلی ہیلی کاپٹر کو بھول جائیں گی۔'' دکان دار نے خوب بڑھا چڑھا کر بتایا۔

''لیکن پانچ ہزار ایک کھلونے کے بہت زیادہ ہیں۔'' امی نے کہا۔

''یہ کھلونا کب ہے! یہ تو اصلی ہیلی کاپٹر ہی ہے۔ یہ دیکھیے۔''

ایک ڈیڑھ منٹ کے بعد اُس نے پرزے جوڑ کر بٹن آن کیا اور گڑڑ...... گڑڑ کی آواز کے ساتھ نیلی پیلی روشنیوں میں ہیلی کاپٹر

دکان کی چھت تک پہنچ گیا۔

دکان دار مسکرایا: ''اگر یہ چھت نہ ہوتو یہ اس سے بھی بہت اوپر جا سکتا ہے۔ آپ کے لیے میں پانچ سو کم کر دوں گا۔''

امی خاموش تھیں، لیکن منے میاں نے امی سے کہا: ''مجھے جو عیدی ملی تھی وہ ساری آپ لے لیں اور جب تک اس کی رقم پوری نہ ہو جائے ہیلی کا پٹر اپنے پاس رکھیں، مگر خریدنا تو ابھی ہے۔ میرا وعدہ ہے، جب تک اس کی رقم جمع کر کے آپ کو نہیں دوں گا میں آپ کو بالکل تنگ نہیں کروں گا۔''

دکان دار نے منے میاں کا جوش و جذبہ دیکھتے ہوئے پانچ سو مزید کم کر دیے۔ یوں دونوں ماں بیٹا ہیلی کا پٹر لے کر گھر پہنچے۔

گھر میں داخل ہوتے ہی منے میاں نے عیدی والا لفافہ کھولا، اس میں دو ہزار تین سو ستر روپے تھے۔

انھوں نے اپنا گلک توڑا، جس میں پچھلے دو ماہ سے سکے جمع کر رہے تھے۔ سکے گلک ٹوٹتے ہی بے تابی سے باہر نکل کر زمین پر بکھر گئے۔ سکے بھی مل ملا کر پانچ سو پینتیس روپے کے بنے۔ ابھی بھی کافی رقم باقی تھے، لیکن منے میاں وعدے کے پکے نکلے۔ عید کے بعد اُن کا ششماہی کا نتیجہ آیا۔ اچھے نمبروں پر ابو اور تایا ابو نے پانچ پانچ سو روپے دیے۔ لیں جناب! باقی جو دو چار سو روپے تھے وہ باجی نے ترس کھا کر دے دیے اور ہیلی کا پٹر منے میاں کی ملکیت میں آ گیا۔

جوں ہی ہیلی کا پٹر فضا میں جاتا اتنی رنگ برنگی روشنیاں نظر آتیں کہ دل چاہتا ہیلی کا پٹر نیچے ہی نہ آئے۔ کام والی ماسی کا بچہ، قاری صاحب کا بیٹا تو آنکھیں ہی نہیں منہ بھی پورا کھول کر دیکھتے، اڑوس پڑوس کے بچے بھی نظارہ دیکھنے بھاگے بھاگے آتے۔

قاری صاحب واپس گئے تو اُن کا بیٹا افسردہ سا تھا۔ وہ بھی منے میاں کے اسکول میں پڑھتا تھا۔

منے میاں نے اس کا شوق دیکھ کر اُسے تسلی دی کہ کل قاری صاحب کے ساتھ آ جانا، میں پھر آپ کو اُس کی پرواز دکھاؤں گا۔

اس طرح کئی دن قاری صاحب کے ساتھ ان کا بیٹا آتا رہا اور ہیلی کا پٹر اڑتے ہوئے دیکھتا رہا، یہاں تک کہ بقر عید میں دس دن رہ گئے۔

قربانی کے جانور خریدنے کے لیے تایا جان منے میاں کو بھی ساتھ لے گئے۔ جاتے ہوئے اور واپسی کے سفر میں وہ مسلسل سوال کرتا رہا۔

اس نے کتاب میں قربانی اور بقر عید کے بارے میں تھوڑا سا پڑھا تو تھا، لیکن اب جب منڈی گیا اور بڑے بڑے اونٹ، گائے، بکرے ہی بکرے چاروں طرف دیکھے تو حیرت سے پوچھا: ''اونٹ بھی ذبح کرتے ہیں کیا؟''

''ہاں بھئی، جو کر سکتے ہیں وہ اونٹ کی قربانی کرتے ہیں۔''

''اور گائے بھی؟ لیکن کیوں؟ ہر سال اتنے پیسے خرچ کر کے کیوں قربانی کی جاتی ہے؟''

ابو نے پہلے تو حضرت اسماعیل علیہ السلام کا قصہ سنایا، پھر سمجھایا کہ بڑی چیز حاصل کرنے کے لیے چھوٹی چیز کی قربانی دینی پڑتی ہے، خاص طور پر اُس چیز کی جو بندے کو بہت پسند ہو۔ اللہ تعالیٰ دیکھتے ہیں کہ بندہ اس چیز سے محبت کرتا ہے یا اپنے اللہ سے، اصل میں یہ اس کا امتحان ہوتا ہے۔''

''لیکن اللہ تعالیٰ تو سب جانتے ہیں کہ کون اللہ تعالیٰ سے کتنی محبت کرتا ہے، پھر وہ خود ہی بتا دیا کریں۔'' منے میاں نے ابو کو لا جواب کر دیا۔

تایا جان گاڑی چلاتے ہوئے بلند آواز سے ہنسے۔

''واہ میرے شیر! کیا سوال کیا ہے! بیٹا جی! اللہ جی کو تو واقعی پتا ہے کہ کون اس سے کتنی محبت کرتا ہے اور کون اس کے راستے میں کیا کچھ قربان کر سکتا ہے، لیکن شیطان مردود کو بھی تو دکھانا ہوتا ہے، جس نے کہا تھا کہ میں انھیں اللہ سے دور کر کے رہوں گا اور وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو تین مرتبہ ہمدرد بن کر بیٹے کی قربانی سے روکنے آیا تھا۔''

''واقعی، تایا جان!؟ پھر تو شیطان کو خوب آگ لگتی ہوگی جب اللہ تعالیٰ کے بندے اتنے زیادہ پیسوں سے قربانی کے جانور خرید کر قربان کرتے ہیں۔'' منے میاں نے کہا۔

''تو اور کیا! اسی لیے جہاں جہاں حضرت ابرہیم علیہ السلام کو تین دفعہ ہمدرد بن کر بیٹے کی قربانی سے روکنے آیا تھا وہاں اب حاجی کنکریاں مارتے ہیں۔'' ابو نے کہا۔

''اچھاااا!'' منے میاں نے اچھا کو لمبا کر کے حیرانی کا اظہار کیا۔

اتنے میں گھر آ گیا، گاڑی رکی اور منے میاں چھلانگ لگا کر گاڑی سے اترے۔

بقیہ صفحہ نمبر 52 پر

# عبداللہ کا بکرا

عمیمہ خان۔ میر پور خاص

چھوٹی عید تو ختم گزر گئی تھی، اب بڑی عید کا سب کو جوش و خروش سے انتظار تھا۔ آخر کار عید میں دس دن رہ گئے۔

عبداللہ نے اپنے ابوجان سے بڑی عید کا بڑا تحفہ لینے کی خواہش کی۔

عبداللہ کے ابوجان نے کہا:

''جی بیٹا! ضرور، کیوں نہیں!''

## نئے لکھاری

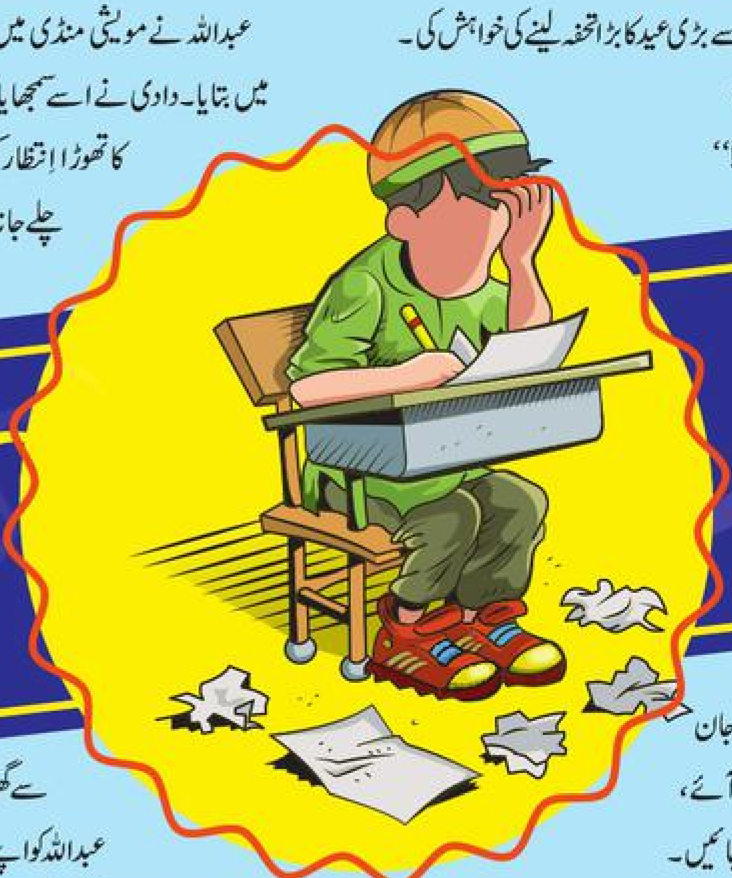

ایک دن عبداللہ کے ابوجان آفس سے جلدی چھٹی لے کر آئے، تاکہ عبداللہ کو مویشی منڈی لے جائیں۔

عبداللہ جب مدرسے سے آیا تو اُس کے ابوجان نے کہا:

''چلو بیٹا! مویشی منڈی چلتے ہیں۔''

عبداللہ اور ابوجان مویشی منڈی پہنچ کر سب سے پہلے بکرا منڈی میں داخل ہوئے۔ وہاں انھوں نے بہت سے بکرے دیکھے۔ اچانک عبداللہ کی نظر ایک گلابی بکرے پر پڑی۔ عبداللہ بکرے کے قریب گیا اور اُسے غور سے دیکھنے لگا۔ وہ لمبا چوڑا، تگڑا اور خوب صورت بکرا تھا۔ اس کے لمبے لمبے کان اور گلابی گلابی آنکھیں تھیں۔ عبداللہ نے اپنے ابوجان کو دیکھا اور کہا کہ مجھے یہی بکرا چاہیے۔

اس کے ابوجان نے قیمت معلوم کی تو بکرے والے نے بتایا کہ یہ بکرا پچاس ہزار روپے کا ہے۔ عبداللہ کے ابوجان کی اتنی گنجائش نہیں تھی، لہٰذا عبداللہ اور اُس کے ابوجان مویشی منڈی سے باہر آگئے، لیکن عبداللہ بار بار پیچھے مڑ مڑ کر اُس بکرے کو دیکھتا رہا۔

جب عبداللہ گھر پہنچا تو زور زور سے رونے لگا۔

عبداللہ کی دادی نے کہا:

''بیٹا! کیا ہوا؟ کیوں رو رہے ہو؟''

عبداللہ نے مویشی منڈی میں پسند آنے والے بکرے کے بارے میں بتایا۔ دادی نے اسے سمجھایا کہ ''بیٹا! اپنے ابوجان کی تنخواہ کے ملنے کا تھوڑا انتظار کرلو، پھر دوبارہ بکرا لینے مویشی منڈی چلے جانا''، لیکن عبداللہ اداس رہنے لگا۔

ایک دن عبداللہ کے ابوجان آفس سے گھر آئے اور آتے ہی عبداللہ کو اپنے ساتھ مویشی منڈی لے گئے۔

عبداللہ وہی بکرا لینے کے لیے بے تاب تھا۔ جب وہ بکرے کی جگہ پر پہنچے تو دیکھا کہ مالک تو ہے، مگر بکرے کی جگہ خالی ہے اور دوسرے بکرے کھڑے ہیں۔

عبداللہ معصومیت سے کہنے لگا:

''ابوجان! اب ہم کیا کریں گے؟''

اس کے ابوجان نے اسے تسلی دی اور کہنے لگے:

''ہم ویسا ہی دوسرا بکرا دیکھیں گے۔''

وہ کچھ گھنٹے بکرے کی تلاش میں گھومتے رہے، لیکن ویسا بکرا نہیں ملا۔ آخر کار جب وہ تھک ہار کے گھر کی طرف روانہ ہونے لگے تو

راستے میں ویسا ہی دوسرا بکرا نظر آیا۔ وہ اس بکرے کے قریب چلے گئے۔

عبداللہ بہت خوش تھا۔ عبداللہ کے ابو جان نے بکرے کو چیک کیا، پھر اُسے خرید لیا۔

عبداللہ نے گھر آ کر بکرے کے لیے چارہ خریدا اور اُسے اپنے ہاتھوں سے کھلایا۔ بکرے نے خوب شوق سے کھایا، پھر عبداللہ اور بکرے نے کچھ دیر آرام کیا۔ شام کو عبداللہ اپنے بکرے کو کچھ دیر باہر سیر کے لیے لے گیا۔ عبداللہ بکرے کو سیر و تفریح کے بعد گھر لے آیا اور باندھ دیا۔

اگلے دن عیدالاضحیٰ تھی، عبداللہ کو صبح جلدی اٹھنا تھا۔ عبداللہ نے رات کا کھانا کھایا اور اپنے کمرے میں جا کر سو گیا۔ فجر کی اذان ہوئی تو عبداللہ کی امی نے اسے نماز کے لیے اٹھایا۔

عبداللہ نماز پڑھنے کے بعد بکرے کے پاس بیٹھ کر رونے لگا اور کہنے لگا:

’’پیارے بکرے! آج تم چلے جاؤ گے۔‘‘

عبداللہ کی امی نے کہا:

’’بیٹا! ایسے نہیں بولتے۔ آپ کا پیارا بکرا حضرت ابرہیم علیہ السلام کی سنت مبارکہ پر عمل کرتے ہوئے آج اللہ تعالیٰ کی راہ میں قربان ہو جائے گا۔‘‘

’’جی امی! میں بھی آج حضرت ابرہیم علیہ السلام کی سنت مبارکہ کو مدنظر رکھتے ہوئے اپنے بکرے کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں قربان کر دوں گا۔‘‘

تھوڑی دیر بعد عیدالاضحیٰ کی نماز ادا کرنے عبداللہ اور ابو جان نہا کر عیدگاہ چلے گئے۔ نماز کے بعد عبداللہ کے بکرے کی اللہ اکبر کہہ کر قربانی کر دی گئی اور قربانی کے گوشت میں غریبوں کو بھی شریک کیا گیا۔

# اللہ تعالیٰ کے لیے

رمشا خان۔ میر پور خاص

جب سے ذی الحجہ کا چاند نظر آیا تھا حسان کی دادی حسان کو روزانہ اسلامی تاریخ کا ایک سچا واقعہ سناتی تھیں۔ آج دادی نے حسان کو حضرت ابرہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کا سچا واقعہ سنانے کا فیصلہ کیا۔

حسان نے دادی کے کمرے میں داخل ہوتے ہی دادی کو سلام کیا اور پوچھا:

’’دادی! آج آپ مجھے کون سا قصہ سنائیں گی؟‘‘

’’وعلیکم السلام، بیٹا! آج میں آپ کو حضرت ابرہیم اور اسماعیل علیہما السلام کا قصہ سناؤں گی۔‘‘ دادی نے حسان سے کہا۔

’’کون سا قصہ دادی!؟‘‘ حسان نے دادی سے پوچھا۔

’’بیٹا! حضرت ابرہیم علیہ السلام کے خواب کا قصہ جسے انھوں نے حقیقت بھی کر دیا تھا، صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے خاطر۔ اب آپ پورا واقعہ تفصیل سے سنیں۔‘‘ دادی نے حسان کو کہا۔

’’ٹھیک ہے دادی!‘‘ حسان نے کہا۔

پھر دادی نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا خواب دیکھنے، پھر اُسے حقیقت کا روپ دینے، شیطان کا انھیں اور اُن کے گھر والوں کو بہکانے، جنت سے مینڈھا آنے اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی جگہ مینڈھے کے ذبح ہونے کا تمام واقعہ تفصیل سے سنایا۔

’’اس طرح بیٹا! حضرت ابرہیم علیہ السلام نے اپنے خواب کو حقیقت کر دیا تھا اور ہم ان کی قربانی کی یاد میں ہی ہر سال ذی الحجہ کی دس تاریخ کو قربانی کرتے ہیں۔

اچھا اب کافی رات ہو گئی ہے، جا کر سو جاؤ۔‘‘ دادی نے حسان سے کہا۔

’’جی دادی! آج آپ نے مجھے بہت اچھا واقعہ سنایا، میں اپنے دوستوں کو بھی یہ واقعہ سناؤں گا، تاکہ انھیں بھی پتا چلے کہ ہم قربانی کیوں کرتے ہیں۔‘‘ حسان، دادی کے گلے لگتے ہوئے بولا اور اپنے کمرے میں سونے کے لیے چلا گیا۔

دوسرے روز حسان اپنے ابو جان سے کہنے لگا: ’’ابو جان! ہم کب قربانی کا جانور لے کر آئیں گے؟‘‘

’’بیٹا! ہم آج ہی لے آئیں گے، ویسے آپ کیوں پوچھ رہے ہیں؟‘‘ حسان کے والد نے پوچھا۔

’’کیوں کہ ابو جان! میں اس کا بہت خیال رکھوں گا، اس کی دیکھ بھال کروں گا اور میں اس کے ذبح ہونے پر اُداس بھی نہیں ہوں گا، کیوں کہ ہم اسے اللہ تعالیٰ کی راہ میں قربان کریں گے۔‘‘ حسان نے وجہ بتائی۔

’’ماشاء اللہ! ہمارے پیارے بیٹے کو سب معلوم ہے! کس نے بتایا آپ کو یہ سب؟‘‘ احمد صاحب نے پوچھا۔

’’ابوجان! دادی مجھے روزانہ ایک واقعہ سناتی ہیں، کل انھوں نے حضرت ابرہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کا واقعہ سُنایا تھا۔‘‘ حسان نے کہا۔

’’واہ بھئی! ہمارا پیارا بیٹا بہت سمجھ دار ہے جو روزانہ دادی سے اتنے اچھے واقعات سنتا ہے۔ ہم ضرور قربانی کے لیے جانور لے کر آئیں گے، تاکہ آپ اس کی اچھی طرح دیکھ بھال کرسکیں اور اُسے اللہ کی راہ میں قربان کرسکیں۔ اچھا اب میں چلتا ہوں، کہیں دفتر کو دیر نہ ہوجائے۔‘‘ احمد صاحب نے اٹھتے ہوئے کہا اور حسان کو پیار کیا۔

’’شکریہ ابوجان! آپ دفتر جائیے! اللہ حافظ!‘‘ حسان نے کہا۔

عیدالاضحیٰ میں ایک دن رہ گیا تھا۔ قربانی کے لیے حسان کا دنبہ آچکا تھا۔ حسان نے اس کا بہت خیال رکھا اور اگلے دن یعنی عیدالاضحیٰ پر اُسے قربان کردیا، کیوں کہ وہ جانتا تھا، قربانی اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔

# سچی خوشی

عروشہ خان۔ بہاول پور

’’امی! امی! میرا نتیجہ کیسا رہا؟‘‘

جوں ہی عمر کی امی گھر میں داخل ہوئیں عمر بھاگتا ہوا اُن کے پاس پہنچا۔

’’بیٹا! تم نے اس سال......‘‘

امی چپ ہوئیں تو عمر بے تابی سے بولا:

’’کیا امی! کیا ہوا ہے؟‘‘

’’تم نے پہلی پوزیشن حاصل کی ہے۔‘‘

’’یاہو۔‘‘ عمر ہاتھ ہلاتے ہوئے خوشی سے چلایا اور بولا:

’’امی! اب تو آپ میری خواہش پوری کریں گی نا! اب براہِ مہربانی مجھے موبائل دلوادیں، کیوں کہ اب میں بڑا ہوگیا ہوں، نہم جماعت میں آ گیا ہوں۔‘‘

امی بولیں:

’’بیٹا جی! آپ نے اپنا وعدہ پورا کیا، پہلی پوزیشن لی، اس لیے میں آپ کی خوشی کی خاطر موبائل دلوادوں گی، مگر میں اس کے حق میں بالکل نہیں کہ کالج سے پہلے آپ کو موبائل لے کردوں۔ بیٹے! آپ کو وعدہ کرنا ہوگا کہ آپ اپنی پوزیشن برقرار رکھیں گے اور موبائل زیادہ دیر اِستعمال نہیں کریں گے۔‘‘

’’وعدہ رہا امی! جیسا آپ کہیں گی میں ویسا ہی کروں گا۔‘‘

امی کو عمر کی فرماں برداری اچھی لگی اور اُنھوں نے عمر کو پیار سے کہا:

’’شاباش! بہت اچھے بیٹے ہو آپ! آج آپ کے بابا سے پیسے لے لوں گی۔ آپ کل شام کو چاچو کے ساتھ جاکر موبائل لے آنا۔‘‘

عمر یہ سن کر بھاگتا ہوا اپنے دوست کو خوش خبری سنانے پہنچ گیا، مگر اُس کا دوست طاہر بہت اداس تھا۔ عمر نے وجہ پوچھی تو اُس نے کہا:

’’میرے والدین مجھے پڑھنے سے منع کررہے ہیں۔ کہہ رہے ہیں کہ ہمارے پاس نئی جماعت کی کتابیں اور فیس کے پیسے نہیں ہیں، جب کہ میں پڑھنا چاہتا ہوں۔‘‘

’’تم پریشان نہ ہو میرے دوست! میرا ایک کزن ہے، اس کے پاس کتابیں ہیں۔ میں اس سے کتابیں تمھیں لے کردے دوں گا۔‘‘

اگلے دن عمر نئی کتابیں لے کر طاہر کے گھر پہنچ گیا۔

’’یہ لو کتابیں، تم پڑھائی نہیں چھوڑنا اور یہ پورے سال کی فیس ہے۔‘‘

طاہر حیرانی سے عمر کو دیکھنے لگا:

’’یہ پیسے کہاں سے آئے تمھارے پاس؟‘‘

عمر بولا:

’’امی نے مجھے موبائل کے لیے پیسے دیے تھے، اول آنے کا انعام، مگر ابھی مجھے موبائل کی ضرورت نہیں ہے، اگلے سال لے لوں گا۔ اب تو خوش ہو نہ تم طاہر!؟‘‘ عمیر بولا۔

’’ہاں، بہت خوش!‘‘

عمر گھر واپس آیا تو امی نے پوچھا:

’’عمر موبائل لے آئے؟‘‘

’’نہیں امی! جب کالج جاؤں گا تب موبائل لے لوں گا۔ ابھی اتنی ضرورت نہیں، جو ضروری بات تھی اللہ تعالیٰ کا شکر ہے وہ پوری ہوگئی۔‘‘

’’کون سی بات بیٹا!؟‘‘

پھر عمر نے طاہر والی بات بتائی۔ عمر کی امی بہت خوش ہوئیں کہ ان کے بیٹے کو نفس کی قربانی دے کر سچی خوشی حاصل کرنا آتا ہے۔

# سیدھے ہاتھ سے

عرفان حیدر۔ جھنگ

اسد برآمدے میں موجود صوفے پر بیٹھا ہوا تھا۔ وہ کبھی کہیں تو کبھی کہیں نظریں گھماتا جا رہا تھا۔ اس کے چہرے کے تاثرات سے معلوم ہو رہا تھا کہ وہ بے چین ہے۔

''یہ دیکھو بیٹا! میں آپ کے لیے کیا لائی؟''

امی ہاتھ میں شربت بھرا گلاس پکڑے برآمدے میں آئیں اور اَسد سے مخاطب ہوئیں۔

''ارے واہ! آڑو کا شربت!'' اسد نے شربت کا گلاس دیکھا تو اُس کے منہ میں پانی آ گیا۔

''امی جان! جنید کب آئے گا؟'' شربت کا ایک گھونٹ پینے کے بعد اَسد نے اپنی امی سے پوچھا۔

''وہ بس آتا ہی ہوگا......لگتا ہے، جنید آ گیا۔'' امی نے بولنا شروع ہی کیا تھا کہ دروازے کی گھنٹی بج گئی۔

امی دروازہ کھولنے گئیں اور جب وہ واپس آئیں تو جنید اُن کے ہم راہ تھا۔

''السلام علیکم اسد!'' جنید نے برآمدے میں قدم رکھتے ہی کہا تو اَسد نے فوراً سلام کا جواب دیا۔

''جنید! ہم ابھی کھیلتے ہیں، بس میں یہ شربت پی لوں۔'' اسد نے شربت کا گلاس سامنے رکھی میز سے اٹھاتے ہوئے کہا۔

''ٹھہرو بچو! میں آپ دونوں کے لیے کچھ کھانے کے لیے لے کر آتی ہوں۔'' امی نے پیار بھرے لہجے میں کہا۔

''جی چچی! مجھے بھوک لگ رہی ہے۔'' جنید نے معصومانہ انداز میں کہا اور اَسد کی امی باورچی خانے کی طرف چل دیں۔

......☆......

''بچو! ہم اب مل کر یہ پھل کھاتے ہیں۔''

کچھ دیر بعد اَسد کی امی دوبارہ برآمدے میں داخل ہوئیں اور پھلوں بھری پلیٹ میز پر رکھتے ہوئے بولیں۔

تینوں نے پھل کھانا شروع کر دیے۔ جنید مسلسل بائیں ہاتھ سے کھا رہا تھا اور اُس کی چچی اسے دیکھ رہی تھیں۔

''جنید! آپ بائیں ہاتھ سے کیوں کھا رہے ہو؟'' اسد کی امی نے جنید سے پوچھا۔

''چچی جان! مجھے بائیں ہاتھ سے کھانے کی عادت ہے۔'' جنید نے فوراً جواب دیا۔

''بیٹا! لیکن یہ تو غلط بات ہے۔'' اسد کی امی نے یہ کہا تو جنید چونکا۔

''کیا مطلب!'' جنید نے حیرانی سے پوچھا۔

''جنید! ہمیں ہمیشہ دائیں ہاتھ سے کھانا کھانا چاہیے، کیوں کہ یہی ہمارے پیارے نبی ﷺ کی سنت ہے۔ ہمارے پیارے آقا ﷺ نے ہمیں بائیں سے کھانے سے منع فرمایا ہے، اس لیے ہمیں دائیں ہاتھ سے کھانا چاہیے، اس طرح ہم اللہ تعالیٰ کو خوش کر سکتے ہیں۔'' اسد کی امی نے جنید کو نرم لہجے میں سمجھایا۔

''ٹھیک ہے چچی جان! میں آپ کی بات سمجھ گیا ہوں اور آئندہ دائیں ہاتھ سے کھاؤں گا۔'' جنید نے کہا تو اُس کی چچی مسکرانے لگیں۔

جنید نے اپنی چچی کی نصیحت کو ذہن نشین کر لیا اور اُس دن کے بعد سے کبھی بھی بائیں ہاتھ سے کچھ نہیں کھایا۔

بقیہ صفحہ نمبر 54 پر

## بقیہ: ہیلی کاپٹر

شام سے پہلے قاری صاحب قرآن پڑھانے آئے تو منے میاں ہیلی کاپٹر پیکنگ والے ڈبے میں ڈال کر قاری صاحب کو پکڑا رہے تھے کہ یہ آپ کے بیٹے کے لیے عید کا تحفہ ہے۔

قاری صاحب کے جانے کے بعد اُمی نے حیرت سے پوچھا:

''بیٹے ہیلی کاپٹر کہاں ہے؟''

فخریہ انداز میں منے میاں نے امی کو بتایا:

''امی جان! میں نے اپنی سب سے پیاری چیز اللہ تعالیٰ کی محبت حاصل کرنے کے لیے دے دی ہے۔ میں نے آج شیطان کو ہرا دیا۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے۔'' وہ دونوں ہاتھ اوپر اُٹھا کر اَب اللہ تعالیٰ کا شکر اَدا کر رہا تھا اور اَمی آنکھیں کھولے بس اسے ہی دیکھے جا رہی تھیں۔

# ننھے ہرن کی تربیت

ظہیر آرائیں، جماعت: نہم

البدر ہائیر سیکنڈری اسکول کے لکھاری

ایک جنگل میں گھنے درختوں کے درمیان ایک ہرنی اور اُس کا بہت پیارا بچہ رہا کرتے تھے۔ ہرنی کا بچہ ابھی بہت چھوٹا تھا اور اُسے اپنے پاؤں پر کھڑا ہونا بھی نہ آیا تھا کہ اس کی ماں نے اسے جنگل میں رہنے کے طریقے سکھانے شروع کر دیے تھے۔

ہرنی کو خود بھی پتا نہ تھا کہ وہ اپنے بچے کے بڑے ہونے تک اس کے ساتھ رہ سکے گی یا نہیں؟ ہر وقت شکاری بندوقیں اور جال لیے ہرن کی تلاش میں جنگل میں پھرتے رہتے تھے۔ شیر، چیتے اور دوسرے درندوں کا خطرہ الگ پریشان رکھتا تھا۔ ہرنی بس ذرا سی آہٹ پر اُٹھ دوڑتی۔

وہ اپنے ٹھکانے سے زیادہ دور نہیں جاتی تھی، کیوں کہ اسے اپنے ننھے منے بچے کی فکر لگی رہتی تھی۔

ننھا ہرن خطرے کے وقت سہم اور سمٹ تو جاتا، مگر ابھی اس میں اتنی طاقت نہیں آئی تھی کہ ماں کے پیچھے پیچھے اپنی جان بچانے کے لیے دوڑ بھی پڑے۔

ایسے میں ہرنی اسے اونچے اونچے پودوں اور جھاڑیوں میں چھپ جانے کا اشارہ کرتی اور خود جست لگا کر شکاری کی پہنچ سے دور نکل جاتی۔ ہرنی کو بڑی شدت سے اس دن کا انتظار تھا جب ننھا ہرن اتنا بڑا ہو جائے کہ اس کے ساتھ سیر کرنے جنگل میں نہر کے کنارے جا سکے۔

کچھ عرصے بعد ننھا ہرن اپنی ماں کے پیچھے پیچھے جنگل میں دور تک چلا جاتا۔ وہ دیر تک کھلے آسمان تلے دھوپ میں بیٹھے رہتے یا نہر کے کنارے گھاس چرتے رہتے۔ ماں نے اپنے بچے کو جست بھرنا اور اُونچی اونچی گھاس میں دم سادھ کر چھپنا سکھا دیا تھا۔ ہرنی اپنے بچے کو جان بچانے کے سارے گُر ایک ایک کر کے سکھا رہی تھی۔

ایک دن ہرنی نے اپنے بچے کو پیار کرتے ہوئے کہا: ”ننھے! مجھے نہیں معلوم کب میرا تیرا ساتھ چھوٹ جائے۔ یوں تو جب تم بڑے ہو جاؤ گے تو تم خود الگ راستہ اختیار کر لو گے اور تمھاری حفاظت کی ذمے داری مجھ پر نہ ہوگی، لیکن ہو سکتا ہے اس سے پہلے ہی کوئی مصیبت مجھے تم سے الگ کر دے۔“

بچہ ماں کی باتیں بڑے غور سے سنتا۔ ماں اسے سمجھاتی:

”جہاں بھی خطرہ ہوتا ہے دل فوراً کھٹک جاتا ہے، پس ہمیشہ دل کی آواز پر دھیان دینا، کان کھڑے رکھنا اور جان بچانے کے لیے بھاگتے وقت بند اور تنگ راستوں کی بجائے کھلی اور کشادہ جگہوں کا انتخاب کرنا۔

اونچے ٹیلوں سے گزرو تو وہاں ٹھہرنا بالکل نہیں کہ اونچی جگہ پر سب کی نظریں پڑتی ہیں اور نشانہ صاف لگتا ہے۔“

ہرنی نے اپنے بچے کو ایک اور بڑے کام کی بات بتائی:

”دیکھو، تم ہرن ہو، بہت کم زور، نازک اور خوب صورت، انسان کی تو بات ہی الگ ہے، کتے اور بھیڑیے سے لے کر شیر تک سب ہی تمھارے دشمن ہیں۔ خود کو اُن سے بچانا اور اپنا اٹھنا بیٹھنا اپنے جیسوں کے ساتھ رکھنا۔ اپنے سے زیادہ طاقت وَر سے دوستی نہ لگانا، ورنہ نقصان اٹھاؤ گے۔“

ایک دن اس کی ماں دوسرے ہرنوں کے ساتھ کہیں دور نکل گئی۔ ننھے ہرن کا اکیلے میں جو دِل گھبرایا تو وہ بھی جنگل کی سیر کو چل پڑا۔ چلتے چلتے وہ ایک ایسی جگہ پہنچ گیا جہاں سوکھی گھاس کے ڈھیر پر سنہری دھوپ میں شیر کے تین چھوٹے چھوٹے بچے اُچھل کود کر رہے تھے۔ ننھا ہرن دور کھڑا اُنھیں دیکھتا رہا۔

بچے کبھی ایک دوسرے کے اوپر چڑھنے کی کوشش کرتے اور کبھی گتھم گتھا ہو جاتے۔ ہرن کے بچے کو اُن کا یہ کھیل کود بہت پسند آیا اور آخر وہ بھی ان کے قریب جا پہنچا اور اُن کی شرارتوں میں شامل ہو گیا۔

شیر کے بچوں نے اس نئے ساتھی کا خوشی سے خیر مقدم کیا اور اُسے بھی اپنے ساتھ کھیل میں شامل کر لیا۔

وہ اسی طرح دیر تک کھیلتے رہے، پھر ننھے ہرن کو اچانک اپنی ماں کا خیال آیا اور وہ واپس آ گیا۔ اس کی ماں واقعی اس کا انتظار کر رہی تھی اور خاصی پریشان بھی تھی۔ ننھے ہرن نے خود ہی ماں کو بتا دیا کہ وہ اتنی دیر کہاں رہا ہے۔ ہرنی کا دل دھک سے رہ گیا۔

اس نے بچے کو ڈانٹ پلائی اور سمجھایا کہ شیر تمھارا دشمن ہے، شیر

کے بچے آج نہ سہی کل جب بڑے ہو جائیں گے تو تمھیں چیر پھاڑ کر کھا جائیں گے۔ ہرنی نے اسے بتایا کہ یہ بھی تو خطرہ ہے کہ کسی بھی وقت بڑا شیر ہی اپنے بچوں کے ساتھ تمھیں کھیلتے ہوئے دیکھ کر مار ڈالے۔

ننھے ہرن کو یہ نصیحت ہرگز پسند نہ آئی۔ وہ بس یہی کہتا رہا کہ ماں! تم فکر مت کرو۔ شیر کے بچوں سے میری دوستی ہو گئی ہے، وہ مجھے کبھی نقصان نہیں پہنچائیں گے۔

چند دن بعد جب ہرنی دوسرے ہرنوں کے ساتھ گئی تو پھر کبھی مڑ کر واپس نہ آئی۔

اب ہرن کا بچہ اکیلا رہ گیا۔

ماں کے چلے جانے سے وہ خاصا پریشان رہنے لگا، لیکن اب وہ اتنا بڑا ہو گیا تھا کہ گھاس چر کر اپنا پیٹ بھر سکتا تھا۔ دو تین دن تک تو اُس نے ماں کی نصیحت پر عمل کیا اور شیر کے بچوں کے ساتھ کھیلنے نہ گیا، لیکن پھر ایک دن جب وہ درختوں کے نیچے اکیلے بیٹھے تنگ آ گیا تو اُس نے شیر کے بچوں کے پاس جانے کا فیصلہ کیا۔

شیر کے بچوں نے پہلے کی طرح اچھل کود مچا رکھی تھی، لیکن ان چند دنوں میں ان کے جسم خاصے مضبوط ہو گئے تھے۔ ہرن بھی ان کے ساتھ کھیل کود میں شامل ہو گیا تو اُن کی اچھل کود اور بڑھ گئی۔ ابھی کھیلتے ہوئے زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ بچوں کی ماں شیرنی بھی وہاں آ گئی۔

اسے ننھے ہرن کی یہ جرأت بہت ناگوار گزری کہ وہ شیر کے بچوں کے ساتھ کھیل رہا ہے۔ شیرنی دبے پاؤں آگے بڑھی اور اُس نے ننھے ہرن کو ایک بھرپور پنجہ رسید کیا۔ ہرن ہوا میں بلند ہوا اور کئی گز دور جا گرا۔ وہ شدید زخمی ہو چکا تھا۔

شیرنی اپنے بچوں کو لے کر اُس پر جھپٹی، لیکن زخمی ہونے کے باوجود ننھا ہرن پوری قوت سے دوڑتا ہوا اُن کی پہنچ سے دور جا نکلا۔ ایک جگہ وہ نڈھال ہو کر گر پڑا۔ اس وقت اسے اپنی ماں کے الفاظ شدت سے یاد آ رہے تھے کہ اپنا اٹھنا بیٹھنا اپنے ہی جیسوں کے ساتھ رکھنا، اپنے سے طاقت ور کے ساتھ دوستی نہ کرنا، ورنہ نقصان اٹھاؤ گے۔"

ننھے ہرن کے زخم ایک دن ٹھیک ہو گئے اور پھر اُس نے کبھی ایسی غلطی نہ کی اور ہمیشہ ماں کی نصیحت کو یاد رکھا۔

## بقیہ: نئے لکھاری

# آرزوئے حج

محمد ہانی رفیق۔ کراچی

رب کی جانب سے ہم کو عنایت ملے
آنکھ کو روضے کی بھی زیارت ملے

سید الانبیا جس جگہ حج کریں
اُس جگہ ہم کو حج کی سعادت ملے

سنتوں کو وہاں خوب زندہ کریں
ایسی ہم کو بھی توفیقِ سنت ملے

نیک اعمال سے اپنے دامن بھریں
کہ کبھی تو حرم میں عبادت ملے

آرزو ہے مری کہ وہاں جا کے پھر
مجھ کو آقا کی سچی محبت ملے

ہم گناہ گار تو ہیں مگر یاخدا!
کاش اس سرزمیں میں ہدایت ملے

یہ عبادت تو دیں کا اہم رکن ہے
ہے دعا، دین پر استقامت ملے

ہم انس جیسے بن جائیں ابنِ رفیق
کہ وہاں ایسا شوقِ شہادت ملے

علم کا ذوق، عمل کا شوق بڑھانے والا بچوں کا رسالہ

ماہ نامہ

# ذوق شوق

کراچی

مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہ العالی

کی زیر سرپرستی الحمدللہ گزشتہ ۱۵ برس سے مسلسل شائع ہو رہا ہے۔

اس شمارے میں بچوں/بچیوں کے لیے تعلیم، تربیت اور تفریح سے بھرپور مواد ہوتا ہے، جس کا بچوں/بچیوں کو انتظار رہتا ہے۔ یہ رسالہ بچوں کے ادب میں ایک منفرد مقام رکھتا ہے اور ملک میں شائع ہونے والے بچوں کے رسالوں میں ایک امتیازی شان کا حامل ہے۔

اگر آپ اپنے بچوں/بچیوں کو فی زمانہ چھوٹی بڑی اسکرین سے بچانے کے لیے کسی متبادل کی تلاش میں ہیں تو ماہ نامہ ذوق وشوق کافی حد تک آپ کی امیدوں پر پورا اُتر سکتا ہے۔

اس کے لیے آپ اپنے نام، مکمل ڈاک پتے اور جس ماہ سے رسالہ جاری کروانا ہے اس ماہ کا نام لکھ کر صرف گیارہ سو (1,100/=) روپے جمع کروائیں اور ہر ماہ، ماہ نامہ ذوق وشوق گھر بیٹھے حاصل کریں۔

خط و کتاب کا پتا:
ماہ نامہ ذوق وشوق، کراچی
پی۔او۔بکس نمبر: 17984
گلشن اقبال، کراچی۔
پوسٹ کوڈ: 75300
ذوق شوق/Zouq shouq
zouqshouq@hotmail.com

(شمارے کی قیمت بڑھنے کی صورت میں سالانہ خریداری کی رقم میں اضافہ ہوسکتا ہے۔)

سالانہ خریداری کے لیے چار ذرائع سے آپ رقم جمع کرواسکتے ہیں:

**1** منی آرڈر کے ذریعے۔
اس کے لیے ہمارا پتا ہے: ماہ نامہ ذوق وشوق، کراچی، پی۔او۔بکس نمبر: 17984 گلشن اقبال، کراچی۔ پوسٹ کوڈ: 75300

**2** بینک اکاؤنٹ کے ذریعے۔ بینک اکاؤنٹ میں رقم جمع کروانے کے لیے ہمارا میزان بینک اکاؤنٹ یہ ہے:
اکاؤنٹ ٹائٹل: Bait ul ilm Trust Zouq o Shouq اکاؤنٹ نمبر: 0179-0103431456
(نوٹ: بینک اکاؤنٹ میں رقم جمع کروانے کی رسید آپ ہمیں اس نمبر پر (0324-2028753) واٹس ایپ کردیں۔)

**3** دستی۔
دفتر میں آکر رقم جمع کروانے کے لیے ہمارا پتا ہے: مدرسہ بیت العلم، ST-9E، بنزد الحمد مسجد، گلشن اقبال بلاک ۸، کراچی
(نوٹ: دستی رقم جمع کرواتے وقت سالانہ خریداری فارم ضرور پُر کریں۔)

**4** جاز کیش کے ذریعے۔
اپنی سالانہ خریداری کی رقم اس نمبر پر بھیج دیں: 0320-1292426
(نوٹ: رقم جمع کروانے کے بعد اس نمبر پر مطلع کردیں۔)

## کوپن برائے
## بلاعنوان ۱۷۹

نام: ____________ ولدیت: ____________

مکمل پتا: ____________

فون نمبر: ____________

## کوپن برائے
## ذوق معلومات ۷۸

نام: ____________ ولدیت: ____________

مکمل پتا: ____________

فون نمبر: ____________

## سوال آدھا جواب آدھا ۳۴

نام: ____________ ولدیت: ____________

مکمل پتا: ____________

فون نمبر: ____________

ہدایات: جوابات ۳۱، جولائی ۲۰۲۲ء تک ہمیں موصول ہو جانے چاہییں ...... ☆ ایک کوپن ایک ہی ساتھی کی طرف سے قبول کیا جائے گا......

☆ کمیٹی کا فیصلہ حتمی ہوگا جس پر اعتراض قابلِ قبول نہیں ہوگا۔ مقررہ تاریخ کے بعد موصول ہونے والے جوابات قرعہ اندازی میں شامل نہیں کیے جائیں گے۔

SINCE 1999

# KIDS COLLECTION SHOES

## All Kinds Of School Shoes Available At All Sizes.

رسالہ ساتھ لانے پر اور آن لائن کے لئے اشتہار کی تصویر واٹس اپ کرنے

پر 10% ڈسکاؤنٹ دیا جائیگا۔

*Shopping Online At*

***Whatsapp: 0316-2709797***
***Facebook: /kidscollectionshoes***
***Website : www.kidskcs.com***

*Branch 1: Shop # 09, Star Centre, Near Chawala Centre,*
*Main Tariq Road, Karachi.*
*Tel: 021-34315359*

*Branch 2: Shop # 01, Saima Paari Glorious Opp.*
*Sindh Lab Main Tariq Road, Karachi.*
*Tel: 021-34382622*

سلسلة

# تحفة الدعاء

دعا عظیم نعمت اور انمول تحفہ ہے، دعا اللہ تعالیٰ کے قرب اور اس سے راز و نیاز کا ذریعہ ہے، دعا مایوسی میں امید کی کرن ہے، دعا کے ذریعے ہم اللہ تعالیٰ سے اپنے تمام مسائل حل کروا سکتے ہیں، اس دنیا میں کوئی بھی انسان کسی بھی حال میں دعا سے مستغنی نہیں ہو سکتا۔

اسی فکر کے پیشِ نظر "مکتبہ بیت العلم" نے تحفۃ الدعا سیریز کے نام سے ایک سلسلہ شروع کیا ہے۔
اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ ! اس سیریز کے چھ حصے شائع ہو چکے ہیں۔

MaktabaBaitulilm

بیتُ العلم

Karachi Ph : 021-32726509
Lahore Ph : 042-37112356
www.mbi.com.pk